جدید عربی

اور

اِزالۂ شبہات

وضاحت

نحمده ونصلي على رسوله الكريم ، أما بعد :

جب سے احقر کی کتاب **"جدید عربی، عربی حروف میں فرنگی زبان"** منظر عام پر آئی، تب سے سوشل میڈیا پر تبصروں اور اعتراضات کا طوفان برپا ہے۔ ان تمام اعتراضات کے جوابات کتاب میں موجود ہیں۔ اب تک کوئی ایسا اعتراض سامنے نہیں آیا جس کا جواب کتاب میں موجود نہ ہو۔ اگر تبصرہ نگار حضرات ٹھنڈے دل ودماغ سے کتاب پڑھتے تو یہ اعتراضات ہرگز پیدا نہ ہوتے۔ ہاں کتاب میں کئی مواقع پر شدتِ غیرت اور اصلاح کے جذبات سے متأثر ہوکر احقر کی بعض تعبیرات کچھ سخت ہوگئی ہیں جو حضراتِ قارئین کو ناگوار محسوس ہوئیں، اس لیے احقر یہاں یہ واضح کرنا ضروری سمجھتا ہے کہ اگلی طباعت میں یہ تمام سخت تعبیرات تبدیل کردی جائیں گی، ان شاء اللہ تعالی۔

اس وقت یہ مقالہ ازالۂ شبہات کے لیے لکھا گیا ہے، جو مندرجہ ذیل عناوین پر مشتمل ہے:

- محلِ نزاع کیا ہے؟
- کن کی بات صحیح مانی جائے گی؟
- کیا یہ علماء ناسمجھ ہیں؟
- اعتراضات کی کمزور بنیادیں
- ایک سوال
- میں نے اکابر کا ذکر کیوں کیا؟
- تتمۂ وجوہات
- خاتمہ
- حضراتِ اہلِ علم اور طلبہ سے درخواست

محلِ نزاع کیا ہے؟

کتاب پر ہونے والے تمام اعتراضات اور تبصروں سے ہمیں یہ محسوس ہوا کہ خود تبصرہ نگار حضرات ''جدید عربی'' کے تعلق سے اشتباہ کا شکار ہوگئے ہیں۔ ''جدید عربی'' کیا چیز ہے اور جدید عربی والے حضرات ہم سے کیوں اور کس جزء میں اختلاف کرتے ہیں؟ ہمیں لگا کہ خود اختلاف کرنے والوں کے سامنے وجہِ اختلاف واضح نہیں ہے، اس لیے ہمیں یہاں اختلاف کرنے والے حضرات کے سامنے پہلے چند سوالات پیش کرنے ہیں، تاکہ واضح ہوجائے کہ نقطۂ اختلاف کیا ہے؟ اور محلِ نزاع کیا ہے؟

پہلا سوال: ہم نے کہا ہے کہ ''قدیم عربی الگ ہے اور جدید عربی الگ زبان ہے جو دشمنانِ اسلام کی طرف سے تیار کی گئی عربی حروف ومفردات میں فرنگی زبان ہے''۔ پھر اعتراضات سے ہمیں لگا کہ اس باب میں خود معترضین باہم مختلف ہیں، بعض دونوں کو ایک ہی مانتے ہیں کہ ''عربی عربی ہے، جدید اور قدیم کوئی چیز نہیں''، اور بعض جدید عربی کو الگ مگر ترقی یافتہ زبان گمان کرتے ہیں۔ پہلے یہ متعیّن کرنا ہوگا کہ نقطۂ اختلاف کیا ہے؟۔ ہم دونوں کو الگ الگ مانتے ہیں اور آپ دونوں کو ایک مانتے ہیں، یہ ہے نقطۂ اختلاف ؟ یا آپ جدید عربی کو ترقی یافتہ گمان کرتے ہیں اور ہم اس کو فرنگی عربی مانتے ہیں، یہ ہے نقطۂ اختلاف ؟۔ ہم نے اپنے مدعا کو سینکڑوں دلائل اور ایک ہزار مثالوں سے ثابت کردیا ہے کہ ''جدید عربی'' الگ زبان اور فرنگی عربی ہے، تو اگر آپ کا مدعا ہمارے اس مدعا کے برخلاف ہے تو آپ اپنے مدعا کو مستند دلائل وامثلہ سے ثابت کیجیے۔ لیکن سب سے پہلے یہ معلوم ہونا ضروری ہے کہ نقطۂ اختلاف اور محلِ نزاع کیا ہے؟

دوسرا سوال: ہم نے کہا ہے کہ ''جدید عربی کسبِ معاش کے لیے یعنی سفارت خانوں میں یا بلادِ عرب میں ملازمت کرنے کے لیے یا ٹرانسلیشن کی جاب کرنے کے لیے نافع ہے، لیکن دینی مدارس میں مضر ہے، اس لیے جدید عربی کی جگہ یونیورسٹیاں ہیں، جبکہ قدیم عربی فہمِ کتاب وسنت اور فہمِ دین کے لیے موقوف علیہ ہے اور ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتی ہے، اس لیے دینی مدارس قدیم عربی کی جگہیں ہیں، نہ کہ جدید عربی کی۔ ہم نے دونوں کی الگ الگ جگہ بتادی ہے تو آپ کس شق میں ہم سے اختلاف کرتے ہیں؟ کیا آپ یہ مانتے ہیں کہ کسبِ معاش اور یونیورسٹیوں کے لیے قدیم عربی ہے اور فہمِ کتاب وسنت اور دینی مدارس

کے لیے جدید عربی ہے؟۔ یا دونوں کی جگہ یونیورسٹیاں ہیں یا دونوں کی جگہ دینی مدارس ہیں؟ پھر کیا دونوں کو الگ الگ ممتاز کرکے پڑھایا جائے یا دونوں کو بلا امتیاز مخلوط بناکر پڑھایا جائے۔ ہم نے اپنے مدعا کو دلائل وبراہین، شواہد وامثلہ اور اقوالِ علماء سے ثابت کر دیا ہے کہ جدید عربی، قدیم عربی کی دشمن ہے اور دینی مدارس کے لیے مضر ہے، اگر آپ یہ بات نہیں مانتے ہیں تو آپ اپنے مدعا کو دلائل وامثلہ سے ثابت کریں۔ لیکن پہلے یہ معلوم ہونا ضروری ہے کہ آپ کو ہم سے کس شق میں اختلاف ہے؟ محلِ نزاع کیا ہے؟

تیسرا سوال: ہر زبان میں دو چیزیں ہوتی ہیں: مفردات اور تراکیب۔ ہماری کتاب کا اصل موضوع تراکیب وساخت ہیں، نہ کہ مفردات۔ چنانچہ ہم نے لکھا ہے کہ کچھ مفردات کے تداخل سے مسخِ زبان لازم نہیں آتا، نیز ہم نے لکھا ہے کہ لفظِ "جدید عربی" سے یہ مفردات قطعًا مراد نہیں ہیں، بلکہ وہ زبان مراد ہے جس سے عربی تراکیب وساختوں کو ہٹاکر ان کی جگہ فرنگی تراکیب وساختوں کو داخل کر دیا گیا ہے۔ تو آپ کو ہم سے کس شق میں اختلاف ہے؟ مفردات میں یا تراکیب میں؟۔

مولانا نوشاد نوری صاحب مد ظلہ العالی نے ہم پر رد کرتے ہوئے ایسے دلائل پیش کیے ہیں جن کا تعلق مفردات سے ہے، نہ کہ تراکیب سے۔ یعنی جس بات کے ہم منکر نہیں (بلکہ مُثبِت ہیں) آپ اسی کو دلائل سے ثابت کر رہے ہیں اور جس بات کے ہم منکر ہیں آپ اس کی نفی نہیں کر رہے ہیں۔ اس لیے پہلے یہ متعیّن ہونا ضروری ہے کہ آپ کو ہم سے کس شق میں اختلاف ہے؟ نقطۂ اختلاف کیا ہے؟

چوتھا سوال: بعض معترضین کہتے ہیں کہ "جدید عربی یہ عربی زبان کا ارتقاء اور توسیع ہے"۔ ہم آپ سے پوچھتے ہیں کہ اس سے کونسا ارتقاء اور توسیع مراد ہے؟ کیونکہ عربی زبان میں دو طرح کا ارتقاء اور توسیع ہوئی ہے، اول: عربی زبان کا طبعی اور اسلامی ارتقاء، دوم: عربی زبان کا منصوبہ بند اور مغربی ارتقاء۔ **طبعی اور اسلامی ارتقاء** یہ ہے کہ ضرورت کے تحت، بقدرِ ضرورت، غیور علمائے عربیہ کی طرف سے ایسے الفاظ اور اصطلاحات وضع کرنا جن کے متبادل پہلے سے عربی میں موجود نہ ہوں۔ یہ ارتقاء مقبول ہے۔ ہم نے **"توسیع کی غلط فہمی"** کے تحت لکھا ہے کہ "زبان کی یہ توسیع ہر زمان ومکان میں ہوتی رہی ہے اور ہوتی رہے گی، عربی زبان میں بھی توسیع ہوئی ہے، نئی نئی ایجادات کے لیے اشتقاق، نحت، وضع یا تعریب کے طریقے سے نئے نئے اسماء وضع کیے گئے ہیں۔ مختلف اسلامی علوم وفنون مثلاً منطق، فلسفہ، فقہ اور حدیث وغیرہ کی اصطلاحات

وضع کی گئی ہیں۔ اسی کو توسیع کہتے ہیں، اس توسیع کا کوئی انکار نہیں کرتا۔ (ص: ۴۱۴)۔

عربی زبان کا **منصوبہ بند اور مغربی ارتقاء و توسیع** یہ ہے کہ سازش کے تحت، بلاضرورت، صرف اور صرف عربی زبان کو مسخ کرنے کے لیے اور انگلش اور فرنچ کے قالب کی اتباع کرنے کے لیے، مستشرقین اور دشمنوں کی طرف سے ایسے فرنگی الفاظ و تعبیرات کو عربی میں ٹھونس دینا جن کے متبادل پہلے سے فصیح عربی میں موجود ہوں۔ یہ ارتقاء و توسیع مردود ہے، اسی کو ہم جدید عربی کہتے ہیں۔

پس اگر آپ کی مراد پہلا ارتقاء اور توسیع ہے تو ہم اس کے منکر نہیں بلکہ مُثبِت ہیں، اور اگر آپ کی مراد دوسرا ارتقاء اور توسیع ہے تو ہم نے سینکڑوں دلائل اور ایک ہزار مثالوں سے ثابت کر دیا ہے کہ یہ ارتقاء و توسیع ہے ہی نہیں بلکہ مسخ و تحریف ہے، فرنگیت ہے اور ناقابلِ قبول ہے۔ اب آپ بتائیے کہ آپ کو ہم سے کس ارتقاء میں اختلاف ہے، طبعی و اسلامی ارتقاء میں یا سازشی اور مغربی ارتقاء میں؟۔

حضرت مولانا نوشاد نوری صاحب مد ظلہ العالی نے ہم پر رد کرتے ہوئے دوسری قسط میں "**لغوی ارتقاء**" کا عنوان قائم کر کے ایسی لمبی بحث کی ہے جس کا تعلق عربی زبان کے طبعی ارتقاء سے ہے نہ کہ سازشی ارتقاء سے۔ یعنی جس چیز کے ہم منکر نہیں (بلکہ مُثبِت ہیں) آپ اسی کو دلائل سے ثابت کرتے ہیں، اور جس چیز کے ہم منکر ہیں آپ اس کی نفی نہیں کر رہے ہیں۔ لہذا پہلے یہ متعیّن ہونا ضروری ہے کہ آپ کو ہم سے کس شق میں اختلاف ہے؟

پھر حضرت مولانا نوشاد نوری صاحب مد ظلہ نے طبعی ارتقاء پر دلائل پیش کرنے کے بعد اخیر میں چند ایسی مثالیں پیش کی ہیں (جیسے: إخصائي – برّر – كرّس – لعب بدور وغیرہ) جن کا تعلق سازشی ارتقاء سے ہے اور جن کے مغربی سازش کا حصہ ہونے پر علمائے عرب و عجم متفق ہیں۔ یعنی یہاں آکر حضرت مولانا نوشاد نوری صاحب مد ظلہ خلط مبحث اور مغالطے کا شکار ہو گئے۔

بتائیے: جن الفاظ کو علمائے عرب نے ضرورت کے تحت عربی مزاج کے مطابق وضع کیا ہے ان کے درمیان، اور جن الفاظ و تعبیرات کو مستشرقین اور دشمنوں نے عربی زبان کو مسخ کرنے اور فرنگی قالب کی اتباع کرنے کے لیے عربی میں ٹھونس دیا ہے ان کے درمیان کوئی فرق ہے یا نہیں؟ ہم نے پہلی قسم کا انکار نہیں کیا، البتہ دوسری قسم کا دلائل و امثلہ اور اقوالِ علماء سے رد کیا ہے۔ آپ کو ہم سے کس شق میں اختلاف ہے؟ اس

لیے پہلے یہ متعیّن ہونا ضروری ہے کہ نقطۂ اختلاف کیا ہے؟

ایک معترض صاحب کہتے ہیں کہ: "قرآنِ کریم میں بھی بعض عجمی الفاظ موجود ہیں، لہذا جدید عربی میں انگریزی یا فرانسیسی الفاظ کے وجود سے قباحت کیوں لازم آئے گی؟"۔

اس کے دو جوابات ہم اپنی کتاب میں دے چکے ہیں۔ **اول یہ کہ** مفردات ہماری کتاب کا اصل موضوع نہیں ہیں، مفردات میں بوقتِ ضرورت، عربی زبان کے مزاج کے مطابق تداخل کی گنجائش ہے، ہماری کتاب کا اصل موضوع وہ تراکیب وتعبیرات ہیں جن کو دشمنانِ عربیت نے سازش کے تحت، عربی زبان کو مسخ کرنے کے لیے، عربی تراکیب کو ہٹا کر ان کی جگہ داخل کر دیا ہے۔ **دوسرا جواب** یہ ہے کہ جو غیر قریشی الفاظ قرآن میں موجود ہیں وہ سب وہی الفاظ ہیں جو نزولِ قرآن سے پہلے ہی قریشی لہجے کا حصہ بن چکے تھے۔ اس کی مکمل تفصیل کتاب میں ص:۴۸ پر اور ص:۶۳ پر مذکور ہے۔

کن کی بات صحیح مانی جائے گی؟

حضرت مولانا نوشاد نوری صاحب مد ظلہ العالی نے ہم پر رد کرتے ہوئے یہ موقف اپنایا ہے کہ جدید عربی میں کوئی لفظ غلط نہیں ہے، ہر لفظ صحیح ہے؛ کیونکہ انھوں نے دوسری قسط میں صفحہ ۱۷ پر القاموس الوحید کی پندرہ مثالوں (مثلاً: كرّس - لعب بدور، وغیرہ) کے متعلق لکھا ہے کہ: **"ان میں سے ایک لفظ بھی غیر عربی نہیں ہے، یہ سب عربی کے اصیل الفاظ ہیں"**۔

ان مثالوں کو میں نے نہیں بلکہ عرب وعجم کے علماء نے غلط اور فرنگی کہا ہے، میں صرف ناقل ہوں، ہر ایک مثال کے حاشیے میں درجنوں کتابوں کے حوالہ جات دیے گئے ہیں، پندرہ مثالوں کے حواشی میں تکرار کے ساتھ ایک سو بتیس (۱۳۲) کتابوں کے نام درج ہیں، لیکن آپ نے تمام حوالہ جات سے صرفِ نظر کر لی اور بات کو میری طرف منسوب کر کے جرح کی بنیاد مجھ پر رکھ دی!۔

حضرت مولانا عبد اللہ عباس صاحب ندویؒ نے لکھا ہے کہ "sacrifice" کے ترجمے میں لفظِ "كرَّسَ" کو رائج کر دیا گیا، یہ عربی لفظ نہیں ہے؛ بلکہ عربی میں دخیل ہے، اس کی اصل مسیحی عقائد ورواج سے ماخوذ ہے" (نگارشات ص:۱۱۶)۔ لیکن آپ کہہ رہے ہیں کہ: **"ان میں سے ایک لفظ بھی غیر عربی نہیں ہے،**

یہ سب عربی کے اصیل الفاظ ہیں''۔ قارئین خود فیصلہ فرمائیں کہ کون سی بات صحیح ہے ؟

حضرت مولانا عبداللہ عباس صاحب ندویؒ نے لکھا ہے کہ: ''لَعِبَ دَورًا'' یہ انگریزی تعبیر '' He played a part '' کا لفظی ترجمہ ہے ، بمعنی اس نے اپنا پارٹ ادا کیا ، یہ تعبیر در اصل تھیٹر کی معاشرت کی غماز ہے جہاں اداکار اپنا پارٹ ادا کرتا ہے''، (نگارشات ص:۱۱۸)۔ مگر آپ کہتے ہیں کہ: ''**ان میں سے ایک لفظ بھی غیر عربی نہیں ہے، یہ سب عربی کے اصیل الفاظ ہیں**'' ۔ بتائیے کہ: کن کی بات صحیح مانی جائے گی ؟ ان کی یا آپ کی ؟ اور کس دلیل و معیار کی بنیاد پر ؟

حضرت مولانا عبداللہ عباس صاحب ندویؒ جو عربی اور انگریزی دونوں زبانوں کے ماہر ہیں اور جن کے بارے میں حضرت مولانا نور عالم صاحب خلیل امینی رحمہ اللہ ''پس مرگ زندہ'' میں لکھتے ہیں:

'' داعیِ اسلام و عاشقِ رسول ادیب مولانا ڈاکٹر عبد اللہ عباس ندویؒ ص:۲۸۷ – مولانا واقعتاً فطری ادیب تھے ص:۳۱۷ – اردو اور عربی زبانوں پر عبور کے ساتھ ساتھ انھیں انگریزی اور فارسی میں بھی خاصی مہارت تھی ص:۳۱۷ – بصیرت مند عالم و داعی ص:۳۲۷''۔ وغیرہ وغیرہ۔

تو حضرت مولانا عبداللہ عباس صاحب ندویؒ جب ان الفاظ کو غیر عربی اور فرنگی بتارہے ہیں تو ان کی بات صحیح ہوگی ؟ یا آپ کی بات صحیح ہوگی ؟ اور کس دلیل و معیار کی بنیاد پر ؟

حضرت مولانا مفتی یاسر ندیم صاحب حفظہ اللہ (جو عربی اور انگریزی دونوں زبانوں کے ماہر ہیں) اپنی کتاب ''گلوبلائزیشن اور اسلام'' (جس پر حضرت مولانا نور عالم خلیل امینی صاحبؒ کا مفصل مقدمہ ہے) میں صفحہ ۳۱۸ پر لکھتے ہیں: ''ہم سر دست چند مثالوں پر اکتفا کرتے ہیں جو اس حقیقت کو ظاہر کرنے کے لیے کافی ہیں کہ عربی زبان کس حد تک انگلش سے متأثر ہوئی ہے، مثلاً عربی کا ایک جملہ ہے ''لَعِبَ دَورًا'' (کردار ادا کرنا) یہ جملہ صحافتی و غیر صحافتی مضامین میں عام طور پر استعمال ہوتا ہے اور انگلش سے ماخوذ ہے، انگلش زبان میں یہی معنی ادا کرنے کے لیے '' play the role '' استعمال ہوتا ہے''، ص:۳۱۸۔

پس جب مفتی یاسر ندیم الواجدی صاحب حفظہ اللہ ''لَعِبَ دَورًا'' کو غیر عربی اور انگلش سے ماخوذ بتارہے ہیں اور آپ کہہ رہے ہیں کہ ''**ان میں سے ایک لفظ بھی غیر عربی نہیں ہے، یہ سب عربی کے اصیل الفاظ ہیں**''، بتائیے: ان کی بات صحیح ہوگی ؟ یا آپ کی بات صحیح ہوگی ؟ اور کس دلیل و معیار کی بنیاد پر ؟

ان کے علاوہ عرب وعجم کے جو علماء عربی وانگریزی دونوں زبانوں کے ماہر ہیں اور جنھوں نے ''خطأ و صواب''، اور ''عربي وفرنگی'' کو موضوع بناکر کتابیں لکھی ہیں، وہ علماء ان مثالوں کو غلط، دخیل اور فرنگی بتا رہے ہیں، اور آپ کہہ رہے ہیں: کہ: **''ان میں سے ایک لفظ بھی غیر عربی نہیں ہے، یہ سب عربی کے اصیل الفاظ ہیں''**۔ قارئین بتائیے کن کی بات صحیح اور معتبر مانی جائے گی؟

ڈاکٹر تقی الدین الہلالی (جو حضرت مولانا علی میاں صاحبؒ اور حضرت مولانا سعید الرحمن صاحب کے عربی کے استاذ ہیں) جنھوں نے ''خطأ و صواب''، اور ''عربي وفرنگی'' کو موضوع بناکر اپنی کتاب ''تقويمُ اللسانين'' لکھی ہے وہ کہتے ہیں کہ علماء کے لیے ''رجالُ الدين'' کا لفظ یورپین زبانوں سے ماخوذ ہے اور ''وهو تعبيرٌ ظاهرُ الفسادِ''، اور پھر علی میاں صاحبؒ اس تعبیر کو استعمال کرتے ہیں۔ اب بتائیے: استاذ کی بات صحیح ہے یا شاگرد کا استعمال صحیح ہے؟ جبکہ استاذ نے ''عربي وفرنگی'' کو موضوع بنایا اور شاگرد نے اس کو کبھی موضوع نہیں بنایا؟ لیکن آپ نے شاگرد کی حمایت کرتے ہوئے استاذ کے بارے میں کہہ دیا: **''کوئی احمق ہوگا جو حضرت مولانا علی میاں ندویؒ پر یہ تہمت باندھے''**۔ (پہلی قسط ص: ۱۸)۔

اگر حضرت مولانا علی میاں صاحبؒ ادب کے معاملے میں قابلِ اعتبار واعتماد ہیں اور یقیناً ہیں تو ان کے عربی کے استاذ ادب کے معاملے میں قابلِ اعتبار کیوں نہیں ہوں گے؟، وہ احمق کیوں کر ہوں گے؟

اسی طرح ''أُسْرَةٌ'' کے متعلق ڈاکٹر تقی الدین ہلالی کہتے ہیں: هو من استعمال جَهَلةِ المترجمينَ؛ تَرجَمُوا به لفظَ "family" الإنكليزي''، اور ''عَائِلةٌ'' سے ''أُسْرَةٌ'' کی طرف منتقل ہونے کو ''هو انتقالٌ من خطأ إلى خطأ آخر'' کہا ہے۔ اگر علی میاں صاحبؒ زندہ ہوتے تو اپنے استاذ کی اصلاح کو دل وجان سے قبول کر لیتے، لیکن آپ کہہ رہے ہیں: ''یہ خالص عربی لفظ ہے، اس خالص عربی فصیح لفظ کا شیوع غلط کیسے ہوگیا؟ (پہلی قسط ص: ۲۲)۔ اب کن کی بات صحیح ہوگی، ان کی، یا آپ کی؟

کیا یہ علماء ناسمجھ ہیں؟

جدید عربی مکمل طور پر انگریزی اور فرانسیسی زبانوں کے قالب میں ڈھلی ہوئی زبان ہے اور عربی قالب سے کوسوں دور ہے۔ یہ بات ہم نہیں کہہ رہے ہیں؛ بلکہ عرب وعجم کے بڑے بڑے عربی داں علماء (جو عربی،

انگریزی اور فرانسیسی تینوں زبانوں کے یا عربی وانگریزی دونوں کے ماہر ہیں) بھی یہ بات دوٹوک الفاظ میں کہہ رہے ہیں۔ کیا یہ علماء ناسمجھ ہیں؟ کیا یہ علماء نہیں سمجھ پارہے ہیں کہ یہ عربی زبان کا ارتقاء ہے؟

حضرت مولانا عبداللہ عباس صاحب ندویؒ نے اپنی کتاب ''نگارشات'' میں صفحہ (۱۱۱) پر ایک عنوان قائم کیا ہے: **''عربی زبان میں جدیدیت کا رجحان اور اس کا ارتقاء''**، پھر اس کے تحت جدید عربی کی فرنگیت پر اور جدید عربی کے مغربی سازش کا حصہ ہونے پر مفصلاً گفتگو فرماتے ہوئے لکھتے ہیں:

''جدید عربی کا میرے نزدیک جو صحیح مفہوم ہے وہ یہ ہے کہ خیالات وافکار غیر عربی ہوں اور دوسری زبانوں کے طرزِ کلام کو عربی میں ڈھالا جائے''، ص:۱۱۵۔ ــــــ ''اگر ہم کسی چیز کو نئی عربی کہہ سکتے ہیں تو واقعتاً یہی زبان ہے جس میں انگلش اور فرنچ کے محاورے لفظی ترجموں کے ساتھ بعینہ قبول کر لیے گئے ہیں''، ص:۱۱۶۔ ــــــ ''وہ غیر عربی ترکیبیں ہیں جو عربی کے قالب میں ڈھال دی گئی ہیں، ان میں سے بعض ترکیبیں اخبارات کی وجہ سے اس قدر عام ہوگئی ہیں کہ لوگوں کا ذہن بھی نہیں جاتا کہ یہ جملہ انگریزی کا چربہ ہے''، ص:۱۱۶۔ ــــــ ''اس طرح بے شمار مثالیں دی جاسکتی ہیں جہاں عربی کے صحیح قالب کو چھوڑ کر یورپین زبانوں کی ترکیبیں رائج کر دی گئی ہیں''، ص:۱۱۹۔ ــــــ ''الحداثة صِرف نظم ونثر میں قدیم سانچوں سے بغاوت کا داعی نہیں بلکہ زبان کے اس ڈھانچے کو ختم کرنے کا مدعی ہے جو قرآنی عربی کی ساخت ہے۔ یہ تحریک نہیں ایک سازش ہے۔ جدیدیت کے رجحان کا ارتقائی نقطہ سردست ''الحداثة'' کے نام پر عربیت کی شکل مسخ کرنے کی کوشش ہے''، ص:۱۲۱- ۱۲۳۔

تو کیا حضرت مولانا عبداللہ عباس صاحب ندویؒ ناسمجھ تھے؟، کیا وہ یہ موٹی سی بات نہیں سمجھ پارہے تھے جو ہمارے طلبہ بھی سمجھ لیتے ہیں کہ ''جدید عربی، ترقی یافتہ عربی ہے۔

حضرت مولانا ڈاکٹر عبد الحمید اطہر ندوی صاحب حفظہ اللہ (جو عربی اور انگریزی دونوں زبانوں کے جاننے والے ہیں) نے اپنی کتاب ''عربی زبان'' میں صفحہ ٦۷ پر ایک عنوان قائم ہے: **''قرآنی اسلوب کے بجائے اخباری اسلوب کی ترویج''**۔ پھر اس کے تحت جدید عربی کے متعلق لکھتے ہیں:

''وہ اپنے اسلوب وانداز، اپنے لب ولہجے اور اپنے الفاظ ومحاورات میں اس زبان سے بہت مختلف ہے جس میں قرآن ہے''، ص:٦۷۔ ــــــ ''لیکن قرآن کی زبان سے یہ اتنی مختلف ہے کہ اس کا ذوق نہ

صرف یہ کہ قرآن کی زبان کا کوئی ذوق پیدا نہیں کرتا؛ بلکہ قرآن سے بیگانہ کرتا ہے''، ص:۶۷۔

تو کیا حضرت مولانا ڈاکٹر عبد الحمید اطہر صاحب ندوی حفظہ اللہ نا سمجھ ہیں ؟، کیا وہ نہیں سمجھ پا رہے ہیں کہ ''جدید عربی، عربی زبان کا ارتقاء اور توسیع ہے۔

ہمارے مشہور نوجوان عالم دین حضرت مولانا مفتی یاسر ندیم الواجدی قاسمی صاحب حفظہ اللہ (جو عربی اور انگریزی دونوں زبانوں کے ماہر ہیں) نے اپنی کتاب ''گلوبلائزیشن اور اسلام'' میں جدید عربی کو امریکی سازش کا حصہ بتاتے ہوئے صفحہ ۳۱۶ پر ایک عنوان قائم کیا ہے: **''انگلش کا عربی زبان پر اثر''**، پھر اس عنوان کے تحت مفتی یاسر ندیم الواجدی صاحب حفظہ اللہ لکھتے ہیں:

[۱] — ''عربی زبان مفردات وکلمات میں، انگلش سے خواہ اتنی متأثر نہ ہوئی ہو؛ لیکن اسلوب، اندازِ بیان اور تعبیر میں بے حد متأثر ہوئی ہے، اگر یہ کہا جائے تو غلط نہ ہوگا کہ مصر پر فرانسیسی اور پھر برطانوی سامراج میں، عربی زبان کو پوری طرح فرنچ اور انگلش کے اسلوب اور قالب میں ڈھال لیا گیا ہے، آج عربی صحافت میں استعمال ہونے والی تعبیرات اور جملوں میں، انگلش کا رنگ نمایاں نظر آتا ہے''۔ (۱)

[۲] — ''جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ جدید عربی اور قدیم عربی، دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے، اور جدید نثر پر جدید عربی کا اطلاق کرنا ہرگز درست نہیں ہے، ان کی یہ بات مفردات کی حد تک تو صحیح ہو سکتی ہے؛ لیکن اسلوب، تعبیر اور طرزِ استعمال کے اعتبار سے صحیح نہیں ہے، اِس اعتبار سے عربی میں انگلش اور دیگر یورپی زبانیں مکمل طور پر رچ بس گئی ہیں، گذشتہ دو صدیوں سے جس طرح کی تعبیرات اور جملے عربی میں استعمال ہو رہے ہیں، وہ سب اجنبی زبانوں سے اخذ کردہ ہیں، خانہ ساز نہیں ہیں، جب کہ دو صدی پہلے کی تمام تعبیرات عربی کی خانہ ساز ہیں اور قرآنی عربی سے ہم آہنگ ہیں''۔ (۲)

[۳] — مفتی یاسر ندیم قاسمی صاحب حفظہ اللہ آگے چند مثالیں پیش کرنے کے بعد لکھتے ہیں: ''یہ تو چند مثالیں ہیں، ورنہ آج کل کی اخباری زبان میں استعمال ہونے والے عربی جملے، انگلش ہی سے ماخوذ ہوتے ہیں، عربی کی اپنی تعبیرات خال خال ہی نظر آتی ہیں''۔ (گلوبلائزیشن اور اسلام/ص:۳۱۹)۔

---

(۱) گلوبلائزیشن اور اسلام، مفتی یاسر ندیم الواجدی/ص:۳۱۷۔

(۲) گلوبلائزیشن اور اسلام، مفتی یاسر ندیم الواجدی/ص:۳۱۸۔

تو کیا حضرت مولانا مفتی یاسر ندیم صاحب کو بھی تبصرہ نگار احمق قرار دیں گے ؟ کیا وہ بالکل بھی یہ موٹی سی بات نہیں سمجھ پا رہے ہیں کہ ''جدید عربی ترقی یافتہ عربی ہے، عربی زبان کا ارتقاء ہے۔

واضح رہے کہ حضرت مولانا نور عالم صاحبؒ نے اس کتاب کے مقدمے میں لکھا ہے: ''میں نے پوری کتاب پر، ان کے سامنے ہی تقریبًا دو تین گھنٹے تک طائرانہ نظر ڈالی۔ سارے ابواب، ذیلی عناوین اور اہم مشمولات کو پڑھ گیا۔ کہیں کہیں میں نے ہلکی سی ترمیم کا مشورہ بھی دیا''، ص: ۳۴۔ ''مولوی یاسر ندیم سلمہ نے پڑھنے کے بعد یہ کتاب لکھی ہے اور موضوع کا حق ادا کرنے کی کوشش کی ہے''، ص: ۳۵۔

تو مذکورہ عنوان بھی یقینًا حضرت مولانا نور عالم خلیل امینی صاحبؒ کی نظر سے گزرا ہوگا، لیکن حضرت نے اس کی نہ تردید کی اور نہ ترمیم کا مشورہ دیا۔ بلکہ کتاب کے شائع ہونے کے بعد حضرت مولانا امینی صاحبؒ تقریبًا ۱۸ سال باحیات رہے، لیکن انھوں نے کبھی اس مضمون کی تردید نہیں کی۔

حالانکہ حضرت مولانا مفتی یاسر ندیم الواجدی صاحب حفظہ اللہ کا یہ مضمون ہماری پوری کتاب کا نچوڑ ہے، یا یہ یوں کہیے کہ مفتی یاسر ندیم صاحب کا یہ مضمون متن ہے اور ہماری کتاب اس کی شرح ہے۔ ہم نے گویا انھی کی باتوں کو سینکڑوں دلائل، حوالہ جات اور ایک ہزار مثالوں سے ثابت کیا ہے۔ تو جب مفتی صاحب کا یہ مضمون قابلِ ستائش ہے تو ہماری کتاب قابلِ تردید کیوں ہوگی ؟

ڈاکٹر تقی الدین الہلالی مراکشی (جو عربی انگریزی اور فرنگی تینوں زبانوں کے ماہر تھے) نے '' تَقويمُ اللسانَينِ'' میں بے شمار فرنگیات وتحریفات کی نشاندہی کرتے ہوئے یہ تک کہہ دیا: ''إنَّ لغةَ المستعمِرِ الغالبِ استَعمرَتِ اللغةَ العربيةَ كما استَعمرَتْ أهلَها ، فغيَّرَتْ تراكيبَها، وشوَّهتْ محاسنَها، وتَركَتْها جسَدًا بلا رُوح، فالمفرداتُ عربيةٌ ، والتراكيبُ أعجميةٌ'' [۱]۔

تو کیا ڈاکٹر تقی الدین ہلالی نے نہیں سمجھا کہ یہ عربی زبان کا ارتقاء اور توسیع ہے ؟

سعودیہ کے عالم شیخ ترجمان احمد الغامدی (جو عربی، انگریزی اور فرانسیسی تینوں زبانوں کے ماہر ہیں) نے ''العرنجية'' لکھ کر ''فصحیٰ معاصرہ'' یعنی جدید عربی کی فرنگیات کو طشت از بام کیا ہے، انھوں نے یہ تک کہہ

(۱) تقويم اللسانَين للدكتور تقي الدين الهلالي ص: ٦٢ .

دیا: ”ففُصْحٰى أهلِ العصر فاسدةٌ كلُّها، وإنما هي عربيةٌ في ظاهرها، إفرنجيةٌ في باطنها، ولذلك سَمَّيتُها "العرنجية"، فهي لغةٌ هَجِيْنَةٌ مُذَبْذَبَةٌ بين عربيٍّ وإفرنجيٍّ. و وَاللّٰهِ لم أُشْطِطْ بزعمي أن الفصحَى المعاصرةَ كلَّها فَسدَتْ“ (١)۔

نیز شیخ احمد الغامدی نے یہ بھی لکھا ہے: ” لو قرأه العربُ قبلَ زمن الترجمةِ لَمَا فهموا منه كلمةً واحدةً ، ولَسألُوه : مِن أيِّ العجم أنتَ ؟ “۔ (٢)

توکیا یہ شیخ احمد الغامدی ناسمجھ ہیں، کیا وہ یہ موٹی سی بات نہیں سمجھ پائے جو بات ہمارے طلبہ بھی سمجھ لیتے ہیں کہ ”جدید عربی، عربی زبان کا ارتقاء ہے، توسیع ہے“۔

اسی طرح شیخ صلاح الدین الزعبلاوی اپنی کتاب ”معجم أخطاء الكُتّاب“ *میں لکھتے ہیں:* ”تراهم يُجارُونَ في النقل عن اللغات الأجنبيةِ أصولَ هذه اللغات ورسومَها و يَنظِمُون الكلامَ العربي ويُؤلِّفُونه على نهج هذه اللغات وأساليبها “۔ (٣)

ڈاکٹر ابراہیم السامرائی نے لکھا ہے : ” إن هذا كلَّه مما نُقِلَ إلى العربية المعاصرة من اللغتين الفرنسية والإنكليزية “۔ (٤)

ڈاکٹر مصطفی جواد بغدادیؒ لکھتے ہیں: ” وذلك أنه ظهرتْ فيه - هذا العصرِ – طبقةٌ من المترجمين، أتقَنُوا اللغاتِ الأعجميةَ واستهانُوا باللغة العربية وأهلِها فلم يُتقِنُوها، وبَنَوْا في العالم العربي ترجمتَهم الفاسدةَ لعلوم الغرب وفنونه“۔ (٥)

شیخ محمد مکی الحسنی جزائریؒ لکھتے ہیں:”ولقد أساء إلى العربية في هذا القرن – جهلًا بها أو تجاهلًا – كثيرٌ من المترجمين: فنَشَرُوا عشراتِ التراكيب التي لا توافق قواعدَ اللغة؛

(١) كتاب العرنجية للترجمان أحمد الغامدي ص : ٨ .

(٢) كتاب العرنجية للترجمان أحمد الغامدي ص : ٤٧ .

(٣) معجم أخطاء الكُتّاب لصلاح الدين الزعبلاوي ص: ٥٥٧ .

(٤) معجميات للدكتور إبراهيم السامرائي ص: ٩٢ .

(٥) كتاب " قُل ولا تَقُل" للشيخ مصطفى جواد / ج ١ ص: ٨ . ولسان غصن لبنان / ص: ١٤ .

وقلّدَهم في ذلك آلافُ الكاتبين (ولا أقول الكُتّابُ) "۔[۱]

امیر شکیب ارسلان لکھتے ہیں: "وإني لا أَميلُ إلى قَبُولِ هذه التراكيب ، وإني أُحِبُّ أن أسدَّ عليها البابَ .. فإني أرى خطرَ هذه الجمل ، العربيةِ الظاهرِ ، الأعجميةِ الباطنِ أشدَّ بكثير من خطر المفرداتِ الأعجمية .. وليس هذا من باب المجاز والكناية والتشبيه ؛ بل هذا من أساليب العرب وعدمِها " ۔ [۲]

مصطفی صادق رافعیؒ نے الرسائل میں لکھا ہے: "کچھ لوگ عربی لہجے میں انگریزی بولتے ہیں اور کسی نے لکھا کہ عربی زبان کو یورپین ہیٹ پہنا کر اس کی گردن میں ٹائی باندھ دی گئی ہے"۔ [۳]

مشہور ادیب علی طنطاویؒ لکھتے ہیں: " بل إني لَأسمَعُ اللحنَ من أفواه الأدباء وأقرؤه في كتبهم . المجلاتُ مملوءةٌ باللحن، والقِصَصُ المطبوعةُ مملوءةٌ باللحن ، والكتبُ الجديدةُ مملوءةٌ باللحن ، وفي كلِّ مكانٍ لحنٌ ظاهرٌ ، يتأدب به الصغيرُ وينشأ عليه الناشئ . وممن سمّاهم الناسُ أدباءَ وشعراءَ مَنْ لا يستطيع أن يكتبَ صفحةً واحدةً صحيحةً، ولا يقدِرُ أن يقيم لسانَه في صفحة واحدة . لقد فَشَا اللحنُ ، وانتشَرَ الجهلُ ، وعمَّ الضعفُ ، وفَقدَتِ العربيةُ المُدافِعَ والمُحاميَ "۔[٤]

تو کیا یہ شیخ صلاح الدین الزعبلاوی، ڈاکٹر ابراہیم سامرائی، ڈاکٹر مصطفی جواد بغدادیؒ، شیخ محمد مکی الحسنی جزائریؒ، امیر شکیب ارسلان، مصطفی صادق رافعیؒ اور علی طنطاوی اور دیگر سینکڑوں غیور علماء اور ادباء سب کے سب ناسمجھ اور بے وقوف ہیں؟ یہ لوگ یہ موٹی سی بات نہیں سمجھ پارہے ہیں جو ہمارے ناپختہ بچے بھی سمجھ لیتے ہیں کہ "جدید عربی ترقی یافتہ عربی ہے، عربی زبان کا ارتقاء ہے، توسیع ہے"۔

---

(۱) نحو إتقان الكتابة باللغة العربية للشيخ محمد مكي الحسني الجزائري ص : ١١ .

(۲) أثر اللغات الإفرنجية في العربية العصرية للشيخ محمد خليل الزروق ص: ٤ .

(۳) *نگارشات مولانا عبد اللہ عباس ندوی صاحبؒ/ ص: ۱۱۶، نقلا عن رسائل الرافعی۔*

(٤) فكر ومباحث للأستاذ علي الطنطاوي ص: ٨ . وكذا في "البواكير" لعلي الطنطاوي ص: ٨٤ .

یہاں ایک بات یہ بھی بتادوں کہ جب سے ہماری یہ کتاب منظرِ عام پر آئی تب سے ملک کے مختلف اطراف سے بہت سے علماء، اہلِ علم اور مفکرین؛ بلکہ بڑے بڑے اداروں کے بڑے بڑے اساتذۂ کرام بھی فون کے ذریعے یا واٹساپ کے ذریعے بندۂ ناچیز کو اس کام پر مبارک باد اور دعائیں دے رہے ہیں، اور کہہ رہے ہیں کہ "اللہ تعالی نے آپ سے بہت بڑا کام لیا – یہ کتاب امت پر ایک احسان ہے – آپ نے واقعی مغربی مخفی سازش کو بے نقاب کیا – مظلوم قرآنی عربی کو آپ نے انصاف دلایا۔ وغیرہ وغیرہ"۔

بتائیے: یہ سب حضراتِ علماء ناسمجھ ہیں، یہ فہمیدہ علماء یہ موٹی سی بات نہیں سمجھ پا رہے ہیں کہ جدید عربی ترقی یافتہ عربی ہے، اور قدیم عربی فرسودہ اور غیر ترقی یافتہ زبان ہے۔

اعتراضات کی کمزور بنیادیں

اب تک جتنے اعتراضات سامنے آئے ہیں وہ سب کمزور اور ساقطُ الاعتبار بنیادوں پر کھڑے ہیں، جس سے عام قارئین کے دلوں میں کچھ شبہات پیدا ہوگئے ہیں۔ اس لیے ہم یہاں ان کمزور بنیادوں کی قدرے وضاحت کریں گے۔ معترضین کی اصل بنادیں تین ہیں، (۱) مجامع اللغہ خصوصًا قاہرہ کی مجمع اللغہ۔ (۲) جدید معاجم اور قوامیس۔ (۳) معجم الصواب اللغوی اور اس جیسی کتابیں۔۔ وضاحت ملاحظہ ہو:

مجامع اللغہ خصوصا قاہرہ کی مجمع اللغہ]:

ہم نے اپنی کتاب میں صفحہ ۳۹۵ پر ایک عنوان قائم کیا ہے: "**مجامع اللغہ کی کارستانیاں**"، پھر اس عنوان کے تحت درجنوں عربی کتابوں کے حوالہ جات سے مفصل گفتگو کی ہے، مثلاً:

"ان مجامع کا قیام نیک مقاصد کے لیے ہوا تھا، مثلاً اشتقاق، نحت، وضع اور تعریب کے ذریعے نئی ایجادات کے نام وضع کرنا، علمی اصطلاحات مقرر کرنا اور عربی واسلامی تراث کا اِحیاء کرنا"۔ مگر افسوس کہ بعد میں یہ تمام مجامع مستشرقین اور دشمنانِ عربیت کے کھلونے بن کر اسلام وعربیت کی جڑیں کاٹنے میں مصروف ہوگئیں۔ قاہرہ کی مجمع اللغہ کی قراردادیں پڑھنے سے محسوس ہوتا ہے کہ "مجمع" کے ممبران صِرف اس لیے

بیٹھے ہیں کہ عربی زبان کو فرنچ اور انگلش کے قالب میں کس طرح ڈھالا جائے۔ مجمع کا سارا زور اس پر ہوتا ہے کہ بوگس تاویلات کے ذریعے اخباری عربی کے اغلاط کی تصویب کی جائے اور نئے قوانین پاس کرکے پرانے قواعد کو توڑ دیا جائے''۔ قاہرہ کی مجمع اللغہ دیگر مجامع سے بڑھ کر عربی زبان کی قتل گاہ بنی ہوئی ہے اور یہ کہ اس میں بڑی چابک دستی اور دجل وفریب سے کام لے کر عربی زبان کا ''مُثلہ'' کیا جاتا ہے۔

سو سال پہلے ان مجامع میں مستشرقین کی بڑی تعداد کام کر رہی تھی، لیکن آج ان مجامع اللغہ پر مستشرقین کا مکمل قبضہ ہو گیا ہے۔ آج صورتِ حال یہ ہو گئی کہ:

برباد گلستاں کرنے کو بس ایک ہی اُلّو کافی تھا ★ ہر شاخ پہ اُلّو بیٹھا ہے، انجامِ گلستاں کیا ہو گا۔

الغرض: عربی زبان کی بنیادوں کو کھوکھلا کرنے والی یہی مجامع آج عالمِ عرب میں عربی زبان کے گویا ''دار الافتاء'' بنی ہوئی ہیں، جو بھی غلطیاں ان سے پاس ہو کر صادر ہوتی ہیں وہ جدید عربی والوں کے لیے ''مفتٰی بہ'' بلکہ ''منزّل مِنَ السماء'' کی حیثیت رکھتی ہیں پھر عرب وعجم کے تمام صحف ومجلات کی زینت بن جاتی ہیں اور لوگ آنکھ بند کرکے ان کو قبول کر لیتے ہیں۔ حالانکہ یہ تمام غلطیاں اور مجامع کی طرف سے ان کی تصویبات، دینی مدارس کی قرآنی عربی زبان کے جسم میں کینسر کے جراثیم سے کم نہیں ہیں۔

مزید تفصیل، دلائل اور مثالوں کے لیے دیکھیے: ص:۳۹۵، تا ص:۴۰۳۔

جدید معاجم وقوامیس]:

ہم نے اپنی کتاب میں صفحہ ۴۰۴ پر ایک عنوان قائم کیا ہے: ''**جدید معاجم وقامیس کی ملمع سازیاں**''، پھر اس عنوان کے تحت درجنوں عربی کتابوں کے حوالہ جات سے مفصل گفتگو کی ہے، مثلاً:

''عربی زبان خصوصاً قرآنی عربی سیکھنے کے لیے مسلمانوں کے پاس ذخیرۂ الفاظ کی کوئی کمی نہیں تھی بلکہ اتنا بڑا ذخیرہ تھا کہ قیامت تک ان کو مزید کسی قاموس کی ضرورت نہ تھی۔ لیکن مستشرقین نے ''عالَم معاجم'' پر بھی اپنا تسلط جما لیا اور قدیم معاجم کے وجود کو مضمحل کرنے کے لیے پچھلے دو سو سالوں میں قدیم معاجم میں پیہم دست درازیاں کیں اور ان کے بالمقابل بہت سی ایسی جدید معاجم تیار کیں جن میں قرآنی عربی کو

مسخ کرنے ، اسلامی الفاظ ومفاہیم میں تحریف کرنے اور عرنگی وعامی زبان کو فروغ دینے والے مغربی اور استشراقی زہریلے وخطرناک الفاظ بھر دیے ہیں''۔

پھر اس کے بعد ہم نے کئی مشہور لغات کا جائزہ پیش کیا ہے۔المعجم الوسیط کے اغلاط میں سے دس(۱۰) غلطیوں کی مثالیں پیش کی ہیں۔''المنجد''کی تردید میں علمائے عربیہ کی تحریرات میں سے چودہ(۱۴)اقتباسات پیش کیے ہیں۔پھر چند اور لغات کا جائزہ پیش کرنے کے بعد یہ لکھا ہے:

''یہ ساری قوامیس غلطیوں اور فرنگی تراکیب وتعبیرات کا سنگم ہیں، بلکہ یہ عربی زبان کی قتل گاہیں ہیں۔ان کے علاوہ جتنی بھی قوامیس ولغات سنہ ۱۲۵۰ ھ کے بعد وجود میں آئیں ان سب کو انھی مذکورہ قوامیس پر قیاس کر لیجیے۔آج یہی سب قوامیس ہمارے اور ہمارے طلبہ کے سامنے ہوتی ہیں اور ہم لوگ انھی سے استفادہ کرتے ہیں تو اندازہ کیجیے کہ ہماری عربی کیسے درست ہو سکتی ہے؟۔ كيفَ يَستقيمُ الظِّلُّ، والعُودُ أعوجُ ؟ (سایہ کیسے سیدھا ہو سکتا ہے اگر لکڑی ہی ٹیڑھی ہو)۔

مزید تفصیل، دلائل اور مثالوں کے لیے دیکھیے: ص: ۴۰۴، تا ص: ۴۱۳۔

معجم الصواب اللغوی]:

معترضین کی تیسری بنیاد احمد مختار عمر کی ''معجم الصواب اللغوی'' ہے۔ہم نے اپنی کتاب میں صفحہ ۱۱ ۳ پر ایک عنوان قائم کیا ہے: ''بوگس تاویلات''، پھر اس عنوان کے تحت مدلل ومفصل گفتگو کی ہے، مثلاً:

''جدید عربی کے اغلاط اور فرنگیات پر لکھی گئی اصلاحی کتابوں سے جدید عربی والے تلملا اٹھتے ہیں بلکہ بوکھلا جاتے ہیں۔وہ ان کتابوں کو اپنے کاموں پر حملہ سمجھ کر ان کی تردید اور مذمت کرنے لگتے ہیں۔بعض اخباری عربی والے تو بالکل آپے سے باہر ہو جاتے ہیں اور حکومتوں سے یہ مطالبہ کر ڈالتے ہیں کہ ان (اصلاحی) کتابوں پر پابندی لگادی جائے۔ڈاکٹر جودة مبروک محمد (كلية الآداب، جامعة القاهرة) نے ''المعجم الوجيز في الأخطاء الشائعة'' میں لکھا ہے: ''بعض (جدید عربی والے) یہ کہتے ہیں کہ عرب ممالک کی حکومتوں کی یہ ذمے داری ہے کہ وہ ان (اصلاحی) کتابوں پر پابندی عائد کریں''۔ اور بعض جدید عربی والے بڑے طمطراق کے ساتھ میدان میں اتر آتے ہیں اور زبان وقلم سے جدید عربی کی حمایت میں بوگس تاویلات

کرنے لگتے ہیں اوراغلاط وفرنگیات کی تصویب کرنے پر ایڑی چوٹی کا زور لگادیتے ہیں۔ بعض لوگوں نے تصویبِ اغلاط وفرنگیات میں کچھ کتابیں بھی لکھی ہیں''۔ص:۳۱۱۔

تصویب اغلاط کی ان کتابوں میں سرفہرست ڈاکٹراحمد مختار عمر کی ''معجم الصواب اللغوی'' ہے۔ احمد مختار عمر خود بھی فرنگی عربی لکھتے تھے اور فرنگی عربی کا دفاع کرنے والوں میں سرفہرست تھے، انھوں نے بوگس اور غلط سلط تاویلات کے ذریعے جدید عربی کی ہر غلطی کو صحیح بنانے کے لیے ہی یہ کتاب لکھی ہے۔ احمد مختار عمر نے اس کتاب کے شروع میں جو منہجِ عمل دس (۱۰) دفعات میں لکھا ہے ان دفعات سے ان کا مقصدِ تالیف بالکل واضح ہوجاتا ہے، ان میں صرف چار دفعات ترجمہ یا ترجمانی کے ساتھ ملاحظہ ہوں:

۱ – التوسعُ في التصحيح ، وتصويبُ كلِّ ما يُمكن تخريجُه بوجهٍ من الوجوه سواء بالرجوع إلى المادة الحيّة ، أو المعاجم المسحيَّة ، أو باستخدامِ جملةٍ من الأقيسةِ التي قَبِلَها القدماءُ ، أو أقرَّها مجمعُ اللغةِ المصريُّ ، أو باجتهادِنا الشخصيِّ . (معجم الصواب اللغوي / مقدمة : ب).

(یعنی: ہم تصحیح میں توسع سے کام لیں گے، اور ہر غلطی کو حتی الامکان صحیح بنائیں گے معاجم کی روشنی میں، یا قیاس سے، یا مصری مجمع اللغہ کی قرارد سے، یا ذاتی اجتہاد سے)۔

۲ – فتح باب الاستشهاد حتى يومنا هذا ، وهو ما سبق أن طبَّقَه مجمعُنا اللغوي في معاجمه ، وبذلك فتح الباب أمام الجميع لتخطي الحدود الزمنية والمكانية التي أقيمت خطأ بين عصور اللغة المختلفة . (مقدمة : ج) .

وإذا كان مجمع اللغة العربية بالقاهرة قد توقَّفَ زَمنيًّا عند الثمانينيات من القرن العشرين فإن معجمنا قد استوعب ما شاع في لغة العصر الحديث حتى لحظة إنجازه، وبذلك احتوى على أعداد هائلة من الكلمات والاستعمالات التي خلا منها المعجم الوسيط. وإذا كان المعجم الوسيط يستشهد – على استحياء – بعدد محدود من المولدين والمعاصرين فقد فتحنا في معجمنا البابَ على مصراعيه ، ولذا نجد فيه أسماء ، مثل: طه حسين ، والعقاد ، ومحمود تيمور ، وتوفيق الحكيم ، وأبي القاسم الشابي، وميخائيل

نعيمة ، والطبيب الصالح ، ونجيب محفوظ ، وغيرهم. (مقدمة: ج).

(یعنی: ہم نے ''استشہاد واستدلال'' کا دروازہ چوپٹ کھول دیا ہے۔ قاہرہ کی مجمع اللغہ نے شرما حضوری میں کچھ ہی معاصرین کی تحریروں سے استدلال کیا تھا، لیکن ہم نے ''استشہاد واستدلال'' کا دروازہ چوپٹ کھول کر بہت سے معاصرین کی تحریروں سے استدلال کیا ہے۔ مثلا: طہ حسین، عباس محمود عقاد، محمود تیمور، توفیق الحکیم، ابوالقاسم شابی، میخائیل نعیمہ، طبیب الصالح، اور نجیب محفوظ، وغیرہ)۔

واضح رہے کہ طہ حسین اور توفیق الحکیم وغیرہ جن کی تحریروں سے ''معجم الصواب اللغوی'' میں استدلال کیا گیا یہ وہ مصری ادباء ہیں جو مغرب کے غلام اور اسلام اور عربیت کے دشمن ہیں۔ ان کی مکمل تفصیل ہماری کتاب میں ''دشمنوں کی سازشیں اور تحریکیں'' اور ''دشمنانِ عربیت پر ایک نظر'' میں موجود ہے۔

٣ – إجازة استعمال اللفظ على غير استعمال العرب ما دام جاريًا على أقيستهم من مجاز واشتقاق وتوسيع للدالالة وغيرها. (مقدمة: ج) .

(یعنی: ہم عرب کے استعمال کے بر خلاف، لفظ کو استعمال کرنے کی اجازت دیں گے، بشرطیکہ وہ قیاس کے مطابق ہو، مثلاً مجاز، اشتقاق اور توسیعِ دلالت وغیرہ)۔

٤ – لم نقتصر على الرجوع إلى المراجع التراثية والمعاجم اللغوية القديمة عند عرض رأينا ، وإنما جمعنا إلى ذلك المعاجم الحديثة التي كان من أهمها : الوسيط ، والأساسي ، والمنجد . (مقدمة: و).

(یعنی صرف قدیم لغات سے رجوع نہیں کریں گے ، جدید معاجم خصوصًا: المعجم الوسیط، الأساسی اور المنجد سے بھی رجوع کریں گے)۔

واضح رہے کہ المنجد اسلام اور عربیت کے لیے انتہائی نقصان دہ لغت ہے۔ اس میں اَنْ گنت غلطیوں، فرنگیات اور تحریفات کے علاوہ اسلامیات پر حملے بھی ہیں۔ محققین نے المنجد کی تردید میں مقالات اور کتابیں لکھ کر یہ بات کہی اور لکھی ہے کہ المنجد میں اسلامی تعریفات کے ساتھ کھلواڑ کیا گیا ہے، عیسائی الفاظ کا اہتمام کیا گیا ہے۔۔ ہم نے ''المنجد'' کی تردید میں علمائے اسلام کے چودہ (١٤) اقتباسات نقل کیے ہیں۔

اب معجم الصواب اللغوی کے منہجِ عمل کی دو مثالیں بھی دیکھ لیجیے :

هو يَعْمَلُ كمدرِّسٍ]: اس مثال میں جو کاف استعمال ہوا ہے وہ عربی لب ولہجہ نہیں بلکہ انگریزی لب ولہجہ ہے، انگریزی کے لفظ"as " سے ماخوذ ہے، انگریزی میں کہتے ہیں:" He works as a teacher"، اسی لیے محقق سعید الافغانی نے اس کاف کا نام"الكاف الفرنسية" رکھا ہے اور ڈاکٹر تقی الدین الہلالی نے اس کو"الكاف الدخيلة الاستعمارية" کا نام دیا ہے۔ اور متعدّد علمائے عرب نے اس کاف کی سختی کے ساتھ تردید کی ہے۔ چند کتابیں ملاحظہ ہوں:

لغة الجرائد ص: ١٠٤. وكتاب العرنجية ص: ١٣٩. وتقويم اللسانَين ص: ١٠. وتذكرة الكاتب ص:٣٣. وأخطاء لغوية شائعة ص: ٢٦. ونگارشات/ ص: ١١٦. وأغلاط الكتّاب لكمال إبراهيم ص: ١٣. والأخطاء الشائعة في استعمالات حروف الجر / ص: ٢٦١. ومعجم تقويم اللغة ص: ١٩. ومظاهر التجديد النحوي لدى مجمع اللغة العربية في القاهرة ص: ١٥٢. وأثر اللغات الإفرنجية في العربية العصرية ص: ٦. ومعجميات للدكتور إبراهيم السامرائي ص: ٢٨. وتعابير أوروبية في العربية الحديثة من معجميات إبراهيم السامرائي ص: ٣٧٠. ونحو وعي إسلامي للدكتور مازن المبارك ص: ٢٠٣۔

لیکن احمد مختار عمر نے انتہائی رکیک اور غلط تاویل کے ذریعے اس کاف کے استعمال کو صحیح بنادیا، انھوں نے "معجم الصواب اللغوی" میں لکھا ہے: "أنا كباحثٍ أُقِرُّ هذا الرأيَ" [مرفوضةٌ عندَ بعضهم] لاستخدام الكاف دون أن يكون هناك تشبيه.. "أنا كباحثٍ أُقِرُّ هذا الرأيَ" [صحيحةٌ] يمكن تخريج التعبير المرفوض وأمثاله من عدة أوجه ، أهمها أن الكاف زائدة . (معجم الصواب اللغوي ص: ٦١٤).

یعنی کاف کو زائدہ مان کر اس انگریزی تعبیر کو صحیح بنادیا، لیکن ان کو ذرا بھی غیرت نہیں آئی کہ یہ انگریزی تعبیر ہے اس کی وجہ سے اصل عربی تعبیر فوت ہوگئی ہے۔

دوسری مثال، "عاجزی کرنے، مطیع ہونے اور تسلیم کرنے " کے معنی میں "رضخ يرضَخُ

رضخًا وضوخًا" کا استعمال بالکل غلط ہے، اس کے غلط ہونے پر درج ذیل علماء متفق ہیں:

لغة الجرائد ص: ٩.وص: ٢٨. وتقويم اللسانَين ص: ٥٠. وتذكرة الكاتب ص: ١٠٣. وص: ١٠٦. وقل ولا تقل ١/ ١٤٤. وقل ولا تقل ٢/ ٦٥. وعثرات الأقلام لبشار بكور ص: ١٩. وشموس العرفان بلغة القرآن ص:٦٠. وأغلاط الكتّاب لكمال إبراهيم ص: ٢٢. والمعجم الوجيز في الأخطاء الشائعة ص: ٦٦. ومعجم المنتقَى من الخطأ والصواب ص: ٢١٨. وحول الغلط والفصيح على ألسنة الكتّاب ص: ١٢. ومعجم تقويم اللغة ص: ١١٦. ونحو وعي إسلامي للدكتور مازن المبارك ص: ١٩٨. وأخطاؤنا في الصحف والدواوين ص: ١٨٥. وص: ٢٠٩. والمنذر في نقد أغلاط الكتّاب ص: ٥٤٦. ومعجم أخطاء الكُتّاب لصلاح الدين الزعبلاوي ص: ٢٠١۔

لیکن چونکہ اخباری عربی میں یہ فعل مذکورہ معانی میں چل گیا اس لیے احمد مختار عمر نے قاہرہ کی مجمع اللغہ (جو مستشرقین کا گھونسلا ہے) کا سہارا لے اس کو صحیح بنادیا، انھوں نے لکھا ہے: " الرضوخ للأمر الواقع" [مرفوضةٌ عندَ بعضهم] لاستخدام الكلمة في غير معناها ... "الرضوخ للأمر الواقع"[صحيحةٌ] يمكن تخريج التعبير المرفوض؛ لأن مجمع اللغة المصري أقرَّ فعلَ "رضخ" بهذا المعنى . (معجم الصواب اللغوي ص: ٤٠٣).

انسان ہر چیز میں کوئی نہ کوئی تاویل کر ہی سکتا ہے۔ ڈاکٹر فاضل صالح سامرائی نے ایک جگہ لکھا ہے:
"لو كانَ التعبيرُ على غير ذلك لَعلَّلوه أيضًا لأن الإنسان لم يَعدَمْ تعليلًا لما يريد"[١]
(یعنی: اگر یہ عبارت اس کے برعکس ہوتی تب بھی لوگ اس کی علت بیان کردیتے؛ کیونکہ انسان جس چیز کو چاہتا ہے اس کی کوئی نہ کوئی علت نکال ہی لیتا ہے)، ص:۳۱۲۔

اگر تاویلات کے ذریعے فرنگی تعبیرات کو عربی زبان کا حصہ بنانا جائز و معقول ہے تو پھر فرنگی

(١) التعبير القرآني للدكتور فاضل صالح السامرائي ص: ٧ .

زبان ہی کی کیا خصوصیت، دنیا کی ہر عجمی زبان والے عربی زبان کو اپنی عجمی زبان کے قالب میں ڈھال سکتے ہیں اور ہم بھی عربی زبان کو اردو کے قالب میں ڈھال سکتے ہیں، مثلاً:

وضو کرنا ایک کام کرنا ہے؛ لہذا "فَعَلتُ الوُضُوءَ" کہنا صحیح ہے۔ نماز کا اکثر حصہ زبان سے پڑھا جاتا ہے؛ لہذا "قَرأتُ الصَّلاةَ" کہنا صحیح ہے۔ ملاقات سے دل چمن کی طرح کِھل جاتا ہے؛ لہذا "بلقائِكَ صَارَ قَلبي حديقةً حديقةً" کہنا صحیح ہے (بمعنی: آپ سے مل کر میرا دل باغ باغ ہو گیا)۔ شرمندگی سے پسینے چھوٹتے ہیں اور شرمندگی کا طاری ہونا اس کا وار کرنا ہے؛ لہذا "صارَ زيدٌ ماءً ماءً مِن ضَرْبِ الخجل" کہنا صحیح ہے (بمعنی: زید شرم کے مارے پانی پانی ہو گیا)۔ شدتِ خوف سے کلیجہ اوپر کی طرف آتا ہے؛ لہذا "جاءتِ الكبدُ إلى الفَم" کہنا صحیح ہے (بمعنی: کلیجہ منہ کو آگیا)۔ عزت کو پامال کرنا دراصل عزت کو مار دینا ہے؛ لہذا "أنتَ أخرجتَ جنازةَ عزّتي" کہنا صحیح ہے (بمعنی: تو نے میری عزت کا جنازہ نکال دیا)۔ وغیرہ وغیرہ۔

اس طرح سینکڑوں اردو جملوں کو عربی مفردات سے ادا کر کے "اردو نما عربی" زبان تیار کر سکتے ہیں۔ اور ہر زبان والے تاویلات کر کے اپنی زبان کے قالب میں عربی مفردات جوڑ کر جملے بنا سکتے ہیں، لیکن ظاہر ہے کہ وہ عربی جملے نہیں کہلائیں گے؛ کیونکہ وہ عربی زبان کے قالب میں نہیں ہوں گے۔

سوال یہ ہے کہ ان بوگس تاویلات کی ضرورت ہی کیوں پڑتی ہے؟ کیا عربی میں الفاظ و تعبیرات کی کوئی کمی تھی کہ تاویلات کے ذریعے فرنگی الفاظ و تعبیرات کو لینے پر ہم مجبور ہوئے۔ ہماری کتاب میں فرنگی مثالوں کو دیکھیے کہ ہر مفہوم میں عربی کے درجنوں الفاظ و تعبیرات ہیں، لیکن ان کو صرف اس لیے چھوڑ دیا گیا کہ وہ فرنگی قالب سے میل نہیں کھا رہے تھے، اور ان کی جگہ ان الفاظ و تعبیرات کو رائج کر دیا گیا جو فرنگی و انگریزی قالب کے موافق تھے اور لفظی ترجمے کے قابل تھے۔ ان فرنگی الفاظ و تعبیرات کی وجہ سے عربی میں اضافہ تو نہیں ہوا، البتہ عربی کے سینکڑوں الفاظ و تعبیرات مہجور و متروک ہو کر رہ گئے۔ (١)

الغرض: "معجم الصواب اللغوی" اور اس طرح کی کتابوں کا مقصد صرف اور صرف عربی زبان کو

---

(١) كتاب العرنجية للترجمان أحمد الغامدي ص: ١١٧ .

فرنگی قالب میں ڈھال کر "عربی نما فرنگی زبان" تیار کرنا ہے۔ لہذا یہ کتابیں عربی زبان کی دشمن ہیں اور ساقطُ الاعتبار ہیں۔ ہاں اگر ان کتابوں کی کوئی بات جمہور کی رائے کے موافق ہوئی تو ہم نے اس بات کو لیا، اور ہمارا اس بات کو لینا دراصل "الفضلُ مَا شَهِدَتْ به الأعداءُ" کے قبیل سے ہے۔

ایک سوال

پہلے درجِ ذیل جملوں کو پڑھیے، پھر ہم آپ کے سامنے ایک سوال پیش کریں گے:

اردو جملے	اردو کے قالب میں عربی جملے
آپ سے مل کر میرا دل باغ باغ ہو گیا۔	بلقائك صَارَ قلبي حديقةً حديقةً .
زید شرم کے مارے پانی پانی ہو گیا۔	صَارَ زيدٌ ماءً ماءً من ضَرْبِ الخَجَلِ .
تو نے میری عزت کا جنازہ نکال دیا۔	أنتَ أَخْرَجْتَ جَنازةَ عِزَّتي .
تم دین کے تقدس پر کیچڑ اچھالتے ہو۔	أنتَ تُوثِبُ الوحلَ على تقدُّسِ الدِّينِ.
آپ میرا مذاق اڑاتے ہیں۔	أنتَ تُطَيِّرُ سُخْرِيَتِيْ.
زید مصیبت سے دوچار ہو گیا۔	صَارَ زيدٌ اثنَيْنِ أربعةً من المصيبةِ .
وہ علمی سرگرمی میں مشغول ہے۔	هو مشغولٌ بحرارةِ الرأسِ العلميّةِ .
بکر زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھا۔	جَلَسَ بكرٌ غاسِلًا اليدَ من الحياة .
مجھے تھوڑی بہت انگریزی بھی آتی ہے۔	تَأتِيْني الإنجليزيةُ قليلةً كثيرةً أيضًا.
خالد اللہ کو پیارا ہو گیا۔	صَارَ خالدٌ حبيبًا لله .
میں نے وضو کیا اور نماز پڑھی۔	أنا فعلتُ الوضوءَ وقرأتُ الصلاةَ.
تم لوگ مار کھاؤ گے۔	أنتم تأكلونَ الضَّرْبَ .
میں روزانہ ہوا خوری کرتا ہوں۔	أنا آكُلُ الهواءَ كلَّ يوم .

میں نے غصے کو پی لیا۔	أنا شَرِبْتُ الغضبَ .
آپ کا خواب شرمندۂ تعبیر نہیں ہوا۔	حُلْمُك لم يَكُنْ خَجِلَ التعبيرِ .

سوال: کیا یہ پندرہ جملے عربی جملے ہیں؟ کیا یہ پندرہ جملے عربی جملے نہیں ہیں؟ جبکہ ان جملوں میں ہر ہر مفرد فصیح ہے، اور ہر جملہ نحوی قواعد کے بھی موافق ہے۔

آپ یقیناً یہ جواب دیں گے کہ یہ پندرہ جملے عربی جملے نہیں ہیں؛ کیونکہ یہ جملے اگرچہ عربی مفردات پر مشتمل ہیں اور قواعدِ نحو کے بھی موافق ہیں؛ لیکن یہ جملے عربی زبان کے قالب میں نہیں؛ بلکہ اردو زبان کے قالب میں ہیں، اس لیے یہ پندرہ جملے "عربی نما اردو جملے" ہیں۔

پس جب یہ پندرہ جملے (مفرداتِ عربیہ اور موافقتِ قواعدِ نحویہ کے باوجود) اردو کے قالب میں ہونے کی وجہ سے "عربی نما اردو جملے" ہیں، تو بالکل اسی طرح جدید عربی کے جملے بھی (مفرداتِ عربیہ اور موافقتِ نحویہ کے باوجود) انگریزی و فرانسیسی کے قالب میں ہونے کی وجہ سے "عربی نما فرنگی جملے" ہیں۔ علتِ جامعہ دونوں میں ایک ہے تو حکم بھی دونوں کا ایک ہی ہوگا، ورنہ ترجیح بلا مرجح لازم آئے گا۔ اسی بات کو ہم نے سینکڑوں علماء کے اقوال، دلائل، حوالہ جات اور ایک ہزار مثالوں سے ثابت کیا ہے۔ وللہ الحمد۔

شیخ ترجمان احمد الغامدی صاحب لکھتے ہیں: "وليست الفصيحةُ بموافَقةِ النحو وعُروبيةِ الألفاظِ ، بل بألفاظِها ومعانِيها ونحوِها وأساليبِها واستعمالاتِها"۔(۱)

(یعنی: فصیح عربی زبان، صرف نحو کی موافقت اور الفاظ کے عربی ہونے سے ہی نہیں بنتی، بلکہ فصیح عربی زبان اپنے الفاظ، معانی، نحو، لب و لہجے اور استعمالات سبھی چیزوں سے مل کر بنتی ہے)۔

میں نے اکابر کا ذکر کیوں کیا؟

اس بات پر بہت زیادہ اعتراضات ہوئے کہ ہمارے اکابر (حضرت مولانا علی میاں صاحبؒ، حضرت مولانا وحید الزمان صاحبؒ اور حضرت مولانا نور عالم خلیل امینی صاحبؒ) کو کتابِ ہذا میں کیوں ذکر کیا گیا؟ ان

(۱) كتاب العرنجية للترجمان أحمد الغامدي ص: ۳۷ .

کی شان میں گستاخی کیوں کی گئی؟ ان کے نام لیے بغیر آپ کی کتاب مکمل و مدلل ہے، پھر ان حضرات کو مثال میں کیوں پیش کیا گیا؟، وغیرہ، وغیرہ۔ ان حضرات کو ذکر کرنے کی تین وجوہات ہیں:

پہلی وجہ:

(الف) –حضرت مولانا عبداللہ عباس صاحب ندویؒ (عربی اور انگریزی دونوں زبانوں کے جاننے والے ماہر ادیب تھے (١)) نے اپنی کتاب "نگارشات" میں صفحہ (١١١) پر ایک عنوان قائم کیا ہے: "**عربی زبان میں جدیدیت کا رجحان اور اس کا ارتقاء**"، پھر اس کے تحت جدید عربی کی فرنگیت پر اور جدید عربی کے مغربی سازش کا حصہ ہونے پر مفصلاً گفتگو فرماتے ہوئے لکھتے ہیں:

"جدید عربی کا میرے نزدیک جو صحیح مفہوم ہے وہ یہ ہے کہ خیالات وافکار غیر عربی ہوں اور دوسری زبانوں کے طرزِ کلام کو عربی میں ڈھالا جائے"، ص:١١٥۔ ـــــ "اگر ہم کسی چیز کو نئی عربی کہہ سکتے ہیں تو واقعتاً یہی زبان ہے جس میں انگلش اور فرنچ کے محاورے لفظی ترجموں کے ساتھ بعینہ قبول کر لیے گئے ہیں"، ص:١١٦۔ ـــــ "وہ غیر عربی ترکیبیں ہیں جو عربی کے قالب میں ڈھال دی گئی ہیں، ان میں سے بعض ترکیبیں اخبارات کی وجہ سے اس قدر عام ہوگئی ہیں کہ لوگوں کا ذہن بھی نہیں جاتا کہ یہ جملہ انگریزی کا چربہ ہے"، ص:١١٦۔ ـــــ "اس طرح بے شمار مثالیں دی جاسکتی ہیں جہاں عربی کے صحیح قالب کو چھوڑ کر یورپین زبانوں کی ترکیبیں رائج کر دی گئی ہیں"، ص:١١٩۔ ـــــ "الحداثة صِرف نظم ونثر میں قدیم سانچوں سے بغاوت کا داعی نہیں بلکہ زبان کے اس ڈھانچے کو ختم کرنے کا مدعی ہے جو قرآنی عربی کی ساخت ہے۔ یہ تحریک نہیں ایک سازش ہے۔ جدیدیت کے رجحان کا ارتقائی نقطہ سر دست "الحداثة" کے نام پر عربیت کی شکل مسخ کرنے کی کوشش ہے"، ص:١٢١- ١٢٣۔

لیکن: حضرت مولانا عبداللہ عباس صاحبؒ (متوفی ٢٠٠٦ء) "نگارشات" لکھ کر دنیا سے چلے گئے

---

(١) حضرت مولانا نور عالم خلیل امینی صاحب رحمہ اللہ نے اپنی کتاب "پس مرگ زندہ" میں مولانا عبداللہ عباس صاحب ندویؒ کے لیے یہ الفاظ کہے ہیں: "داعیِ اسلام و عاشقِ رسول ادیب مولانا ڈاکٹر عبد اللہ عباس ندویؒ" ص: ٤٢٨ - "مولانا واقعتاً فطری ادیب تھے" ص: ٤٣١ - "اردو اور عربی زبانوں پر عبور کے ساتھ ساتھ انھیں انگریزی اور فارسی میں بھی خاصی مہارت تھی" ص: ٤٣١ - "بصیرت مند عالم وداعی" ص: ٤٣٢ ۔ وغیرہ وغیرہ۔

مگر کسی کا ذہن بھی اس طرف نہیں گیا کہ ہمارے ادباء کی عربی بھی ان کی تحریروں کا مصداق ہو سکتی ہے، سب نے یہی سمجھا کہ بلادِ عرب میں کوئی اور عربی ہے جس کے بارے میں مولانا نے یہ باتیں لکھی ہیں، اس لیے کسی نے ان کی تحریروں سے فائدہ نہیں اٹھایا اور نہ اپنی عربی کی اصلاح کی طرف توجہ دی۔

(ب) — حضرت مولانا ڈاکٹر عبد الحمید اطہر ندوی صاحب حفظہ اللہ (جو عربی اور انگریزی دونوں زبانوں ماہر ہیں) نے اپنی کتاب ”عربی زبان“ کے صفحہ ۶۷ پر ایک عنوان قائم کیا ہے: **”قرآنی اسلوب کے بجائے اخباری اسلوب کی ترویج“**۔ پھر اس کے تحت جدید عربی کے متعلق لکھا ہے:

”وہ اپنے اسلوب وانداز، اپنے لب ولہجے اور اپنے الفاظ ومحاورات میں اس زبان سے بہت مختلف ہے جس میں قرآن ہے“، ص: ۶۷۔ ـــــ ”لیکن قرآن کی زبان سے یہ اتنی مختلف ہے کہ اس کا ذوق نہ صرف یہ کہ قرآن کی زبان کا کوئی ذوق پیدا نہیں کرتا؛ بلکہ قرآن سے بیگانہ کرتا ہے“، ص: ۶۷۔

لیکن: یہ کتابِ ”عربی زبان“ سنہ **۲۰۱۲ء** میں شائع ہوئی ہے، مگر اب تک کسی کا ذہن بھی اس طرف نہیں گیا کہ ہمارے ادباء کی عربی بھی ان کی تحریروں کا مصداق ہو سکتی ہے، سب نے یہی سمجھا کہ بلادِ عرب میں کوئی اور عربی اس نوعیت کی ہے جس کے متعلق یہ باتیں لکھی گئی ہیں، اس لیے کسی نے ان تحریروں سے نہ فائدہ اٹھایا اور نہ ہی اپنی عربی کی اصلاح کے لیے کچھ سوچا۔

(ج) — ہمارے مشہور نوجوان عالم دین حضرت مولانا مفتی یاسر ندیم الواجدی قاسمی صاحب حفظہ اللہ (جو حضرت مولانا نور عالم صاحبؒ کے شاگرد اور عربی اور انگریزی دونوں زبانوں کے ماہر ہیں) نے اپنی کتاب ”گلوبلائزیشن اور اسلام“ (جس پر حضرت مولانا نور عالم صاحبؒ کا مفصل مقدمہ بھی ہے [۱]) کے صفحہ ۳۱۶ پر جدید عربی کو امریکی سازش کا حصہ بتاتے ہوئے ایک عنوان قائم ہے: **”انگلش کا عربی زبان پر اثر“**، پھر اس عنوان کے تحت مفتی یاسر ندیم صاحب حفظہ اللہ صاف صاف لکھتے ہیں:

[ا] — ”عربی زبان مفردات وکلمات میں، انگلش سے خواہ اتنی متأثر نہ ہوئی ہو؛ لیکن اسلوب، اندازِ

---

(۱) حضرت مولانا نور عالم صاحب رحمہ اللہ نے اس مقدمے میں لکھا ہے: ”میں نے پوری کتاب پر، ان کے سامنے ہی تقریباً دو تین گھنٹے تک طائرانہ نظر ڈالی۔ سارے ابواب، ذیلی عناوین اور اہم مشمولات کو پڑھ گیا۔ کہیں کہیں ہلکی سی ترمیم کا مشورہ بھی دیا، ص: (۳۴)۔ مولوی یاسر ندیم سلمہ نے پڑھنے کے بعد یہ کتاب لکھی ہے اور موضوع کا حق ادا کرنے کی کوشش کی ہے۔ (ص: ۳۵)۔

بیان اور تعبیر میں بے حد متأثر ہوئی ہے، اگر یہ کہا جائے تو غلط نہ ہو گا کہ مصر پر فرانسیسی اور پھر برطانوی سامراج میں، عربی زبان کو پوری طرح فرنچ اور انگلش کے اسلوب اور قالب میں ڈھال لیا گیا ہے، آج عربی صحافت میں استعمال ہونے والی تعبیرات اور جملوں میں، انگلش کا رنگ نمایاں نظر آتا ہے"۔ (۱)

[۲] — "جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ جدید عربی اور قدیم عربی، دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے، اور جدید نثر پر جدید عربی کا اطلاق کرنا ہر گز درست نہیں ہے، ان کی یہ بات مفردات کی حد تک توصحیح ہو سکتی ہے؛ لیکن اسلوب، تعبیر اور طرزِ استعمال کے اعتبار سے صحیح نہیں ہے، اِس اعتبار سے عربی میں انگلش اور دیگر یورپی زبانیں مکمل طور پر رچ بس گئی ہیں، گذشتہ دو صدیوں سے جس طرح کی تعبیرات اور جملے عربی میں استعمال ہو رہے ہیں، وہ سب اجنبی زبانوں سے اخذ کردہ ہیں، خانہ ساز نہیں ہیں، جب کہ دو صدی پہلے کی تمام تعبیرات عربی کی خانہ ساز ہیں اور قرآنی عربی سے ہم آہنگ ہیں"۔ (۲)

[۳] — مفتی یاسر ندیم قاسمی صاحب حفظہ اللہ آگے چند مثالیں پیش کرنے کے بعد لکھتے ہیں: "یہ تو چند مثالیں ہیں، ورنہ آج کل کی اخباری زبان میں استعمال ہونے والے عربی جملے، انگلش ہی سے ماخوذ ہوتے ہیں، عربی کی اپنی تعبیرات خال خال ہی نظر آتی ہیں"۔ (۳)

لیکن: حضرت مفتی یاسر ندیم الواجدی صاحب حفظہ اللہ کی کتاب ۲۰۰۳ء میں شائع ہوئی، مگر کسی کا ذہن بھی اس طرف نہیں گیا کہ ہمارے ادباء کی عربی بھی ان کی تحریروں کا مصداق ہو سکتی ہے، سب نے یہی سمجھا کہ بلادِ عرب میں کوئی اور عربی ایسی ہے جس کے بارے میں مفتی یاسر ندیم صاحب نے یہ باتیں لکھی ہیں۔ اس لیے کسی نے ان کی تحریروں سے نہ فائدہ اٹھایا اور نہ عربیت کی کوئی اصلاح ہوئی۔

(د) — ان کے علاوہ علمائے عرب میں سے ڈاکٹر تقی الدین الہلالی، ڈاکٹر ابراہیم السامرائی، ترجمان احمد الغامدی، شیخ ابراہیم الیازجی، علی طنطاوی اور دیگر سینکڑوں علماء (جو عربی، انگریزی اور فرانسیسی تینوں زبانوں سے خوب خوب واقف ہیں) سینکڑوں کتابیں اور مقالات لکھ کر ڈنکے کی چوٹ کہہ رہے ہیں اور امت کو آگاہ

---

(۱) گلوبلائزیشن اور اسلام، مفتی یاسر ندیم الواجدی/ص:۳۱۷۔
(۲) گلوبلائزیشن اور اسلام، مفتی یاسر ندیم الواجدی/ص:۳۱۸۔
(۳) گلوبلائزیشن اور اسلام، مفتی یاسر ندیم الواجدی/ص:۳۱۹۔

کر رہے ہیں کہ یہ "جدید عربی" عربی زبان نہیں ہے؛ بلکہ عربی حروف میں فرنگی زبان ہے، جو عربی زبان سے یکسر مختلف ہے"۔ اور یہ کہ "اگر انگریزی اور فرانسیسی زبانوں کی صِرف کچھ ترکیبیں اور کچھ لب ولہجے "جدید عربی" میں داخل ہوئے ہوتے تو ہم کتابیں لکھنے کی زحمت ہرگز نہ کرتے، مگر اصل بات یہ ہے کہ جدید عربی مکمل فرنگی زبانوں کا لفظی ترجمہ ہے، فرنگی زبانوں کے قالب میں ڈھلی ہوئی زبان ہے"۔

ان میں سے بہت سی کتابیں انٹرنیٹ پر موجود ہیں، شیخ ترجمان احمد الغامدی کی کتاب "العرنجیة" بھی بشکلِ (PDF) ہمارے بہت سے فضلاء کے پاس ہے۔ لیکن کسی کا ذہن بھی اس طرف نہیں گیا کہ ہمارے ادباء کی عربی بھی ان کی تحریروں کا مصداق ہوسکتی ہے، سب نے یہی سمجھا کہ بلادِ عرب میں کوئی اور عربی ایسی ہے جس کے بارے میں ان حضرات نے یہ باتیں لکھی ہیں۔ اس لیے کسی نے ان تحریروں سے نہ فائدہ اٹھایا اور نہ اپنی عربی کی اصلاح کی طرف کوئی توجہ کی۔

الغرض: ایسی صورت میں اگر ہم اپنی کتاب "**جدید عربی، عربی حروف میں فرنگی زبان**" کو ہزاروں دلائل اور لاکھوں مثالوں سے بھی آراستہ کر کے لکھتے تو سب یہی کہتے کہ بلادِ عرب میں کوئی اور عربی ہے جس کے متعلق یہ کتاب لکھی گئی ہے اور اچھی کتاب ہے۔ مگر کسی کا ذہن بھی اس طرف نہ جاتا کہ ہمارے ادباء کی عربی بھی اس کتاب کا مصداق ہوسکتی ہے۔ پھر مرض جوں کا توں باقی رہتا، کتاب کا اصل مقصد (یعنی محرَّف عربی کی اصلاح) فوت ہوجاتا، اور کوئی بھی اس کتاب سے نہ فائدہ اٹھاتا اور نہ اپنی عربی کی اصلاح کی طرف توجہ کرتا۔ حالانکہ ہمارے ادباء کی تحریروں میں بھی بے شمار فرنگی تراکیب اور لسانی تحریفات موجود ہیں، لیکن ان حضرات کی ادبی شہرت، اصلاحی کتابوں سے استفادہ کرنے سے مانع اور حائل ہے۔ جب تک ان کو واضح نہیں کریں گے، اصلاحی کام بے سود ہوکر رہ جائے گا، اور ہم نے یہ کتاب صرف اصلاح کے لیے لکھی ہے، اس لیے ہم کو بادلِ ناخواستہ ان حضرات کی کتابوں کا جائزہ پیش کرنا پڑا۔

شیخ ترجمان احمد الغامدی (سعودیہ / دمام) رقمطراز ہیں: "إنَّ استعمالاتِ الإفرنج متفشِّيةٌ في كلام كِبار الكُتّاب، وهي - إذا كانت صادرةً عنهم - أشدُّ ؛ لأن خلقًا كثيرًا يطلبون الفصاحةَ من كتبهم"۔ (العرنجية ص: ۸۱)

(یعنی: فرنگی استعمالات بڑے بڑے ادباء کی تحریروں میں عام ہوچکے ہیں۔ یہ فرنگی استعمالات

اس وقت زیادہ خطرناک ہو جاتے ہیں جب وہ ان بڑے ادباء کے قلم سے نکلتے ہیں؛ کیونکہ لوگوں کا جمِ غفیر ان حضرات کی کتابوں سے فصیح عربی سیکھنا چاہتا ہے)۔

دوسری وجہ:

حضرت مولانا علی میاں صاحب رحمہ اللہ، حضرت مولانا وحید الزماں صاحب رحمہ اللہ اور حضرت مولانا نور عالم صاحب رحمہ اللہ "**یہ تینوں ہمارے اکابر ہیں**"، یہ تو "صغریٰ" ہوا، اس کے ساتھ یہ "کبریٰ" لگائیے کہ "**اور اکابر کے ساتھ اختلاف کرنا ناجائز ہے**"، تو نتیجہ یہ نکلے گا کہ "**تو ان تینوں کے ساتھ اختلاف کرنا ناجائز ہے**"۔ حالانکہ یہ "کبریٰ" تسلیم نہیں ہے، تو نتیجہ بھی صحیح نہ ہوگا۔ پوری علمی تاریخ اختلافات سے بھری پڑی ہے۔ اصاغر نے دلائل کے ذریعے اکابر کے بعض اقوال کی تردید کی ہے۔

امام ابو یوسفؒ نے اپنے استاذِ محترم امام ابو حنیفہؒ سے اختلاف کیا۔ امام محمدؒ نے اپنے دونوں استاذوں سے اختلاف کیا۔ مبرد نے سیبویہ سے اختلاف کیا۔ کسائی دوسرے نحات سے اختلاف کیا۔ صحتِ حدیث کی خاطر علماء نے محدثین پر جرح کی ہے، حتیٰ کہ امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ کی بھی گرفت کی۔ امام طحاویؒ نے قدیم حنفی اقوال کی تصحیح کی۔ امام سرخسیؒ نے متقدم فقہاء کے بعض فتاوی پر اصولی کلام کیا۔ امام ابن ہمامؒ نے حنفی متون پر تعقبات لکھے۔ امام غزالیؒ نے متقدم اصولیین کی بعض تعریفات اور تقسیمات پر نقد کیا۔ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ نے اپنے شیخ حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ کے بعض اقوال پر رد کیا۔ وغیرہ وغیرہ۔ ہماری پوری علمی تاریخ اس کے طرح کے اختلافات سے بھری پڑی ہے۔

پس اگر ہم نے دلائل سے اپنے بعض اکابر کے ساتھ اختلاف کیا تو کیا اس اختلاف کو گستاخی کہنا انصاف کی بات ہے؟ ہم نے لکھا ہے: "اگر نیت احقاقِ حق کی ہو، دلیل مضبوط ہو اور خاموشی سے دینی یا علمی نقصان ہو رہا ہو تو احترام کے ساتھ اختلاف بڑوں سے بھی کیا جاسکتا ہے اور بعض اوقات اختلاف کرنا ضروری ہو جاتا ہے۔ اس اختلاف کرنے کو بے ادبی اور گستاخی نہیں کہا جائے گا"۔ ص: ۴۳۴۔

ہم نے اپنے اسلاف و اکابر ہی سے سیکھا ہے کہ بوقتِ ضرورت دلائل کے ساتھ بڑوں سے اختلاف کیا جاسکتا ہے تو ہم نے بھی بوقتِ ضرورت ان سے اختلاف کیا ہے، تو گستاخی کیوں کر ہوگی؟ رہی بات

تعبیرات میں سختی محسوس ہونے کی تو ان تعبیرات کو تبدیل کر دیا جائے گا۔

تیسری وجہ:

ہم نے حقیقتاً اپنے اکابر ادباء سے اختلاف نہیں کیا، اور نہ ہی ان کو موردِ الزام ٹھہرایا، بلکہ ہم نے ہر ایک کے تذکرے میں ان کی تعریفیں کیں، خدمات کا ذکر کیا، اور ان کو دعائیں دیں، پھر ان حضرات کو تمام فرنگیات اور لسانی اغلاط سے بریُ الذمہ بھی قرار دیا ہے۔ چنانچہ ہم نے لکھا ہے:

''ہمارے عجم کے ادباء (مثلاً حضرت علی میاں صاحبؒ ندوی یا حضرت مولانا وحید الزماں صاحب کیرانویؒ یا حضرت مولانا نور عالم صاحب خلیل امینیؒ) ان حضرات نے نہ تو اپنی طرف سے کسی غلطی کو ایجاد کیا ہے اور نہ اپنی طرف سے کسی فرنگی ترکیب کو گھڑا ہے، بلکہ ان حضرات نے عربوں سے حسنِ ظن کی بنا پر عربوں کی ہر فرنگی ترکیب اور ہر لسانی غلطی کو قبول کیا۔۔ اللہ تعالی ان حضرات کو ان کی حسنِ نیت کا ثواب ضرور عطا فرمائیں گے، البتہ ہم خردوں پر یہ فریضہ عائد ہوتا ہے کہ ان حضرات کی کتابوں اور تحریروں سے جو فرنگی عربی اور لسانی تحریفات اور غلطیاں پھیل گئی ہیں ہم ان سے آگاہی حاصل کریں اور دوسروں کو بھی ان سے آگاہ کرنے کی سعی اور کوشش کریں۔۔ ان بزرگوں کی تحریروں پر استدراک کرنا اور اختلافِ رائے کرنا عقل و نقل کی رو سے کسی بھی طرح بے ادبی کے خانے میں نہیں رکھا جا سکتا، بلکہ ہمیں تو یہ امید ہے کہ اگر یہ حضرات بقیدِ حیات ہوتے تو اس خالص علمی و دینی کام سے خوش ہوتے اور ہمیں دعائیں ملتیں۔ ہمیں اس کام پر اپنے رب کریم سے اجر و ثواب کا یقینِ کامل ہے''۔ (ص:۴۳۵)

پھر ہم نے حضرت مولانا وحید الزماں صاحب کیرانویؒ کے تذکرے میں لکھا ہے:

''جدید عربی کی ہر غلطی اور ہر فرنگی ترکیب عربوں سے آئی ہے، نہ کہ عجمی ادباء کی طرف سے۔ نیز حضرت مولانا کا پورا علمی اثاثہ از قبیلِ نقل ہے، مثلاً:۔۔۔؛ لہذا حضرت مولانا کی کتابوں میں جتنی بھی غلطیاں یا فرنگی تراکیب ہیں حضرت ان کے ذمے دار نہیں ہیں''۔۔۔ چونکہ حضرت نیک دل انسان تھے، وہ ''ظُنُّوا بالمؤمنین حسناً'' کی رو سے عربوں سے حسنِ ظن رکھتے تھے، نیز حضرت کے سامنے وہ تمام اصلاحی کتابیں نہیں تھیں جو آج ہمارے سامنے ہیں اس لیے حضرت نے حسنِ ظن کی بنا پر ہر عرب مصنف کی تحریر کو لیا اور

تمحیص یا تنقید کی ضرورت محسوس نہیں کی۔ بندہ یقین سے کہہ سکتا ہے کہ اگر حضرت کے سامنے علمائے حق کی وہ تمام اصلاحی کتابیں ہوتیں تو حضرت جیسے دینی حمیت والے عبقری مصلح عالم اس فرنگی عربی کی طرف ہرگز ہرگز نہ رہنمائی کرتے (الرائدُ لا یَکذِبُ أهلَه) اور نہ قرآنی عربی کی عظیم اور پاک درسگاہ میں اس فرنگی عربی کے وجود کو گوارا کرتے۔ حضرت کو ان کی حسنِ نیت اور اخلاص کی بنا پر پورا پورا ثواب ملے گا۔ اللہ رب العزت حضرت کو ان کے ایک ایک حرف کے بدلے میں اجر عظیم عطا کرے۔ آمین"۔(ص:۴۴۷)۔

ہم نے حضرت مولانا نور عالم صاحب خلیل امینی رحمہ اللہ کے متعلق یہ لکھا ہے:

"حضرت مولانا نور عالم صاحب خلیل امینیؒ دار العلوم دیوبند کے مایۂ ناز استاذ، جدید عربی کے ماہر صاحبِ قلم اور مجلۃ "الداعی" کے ایڈیٹر تھے۔ حضرت مولانا بڑے مخلص، دین دار، نستعلیقی شخصیت کے مالک اور دینی حمیت کے حامل عالم تھے۔ حضرت نے اپنی زندگی میں متعدّد کتابیں اور ہزاروں صفحات لکھے ہیں، جو ان کے لیے صدقۂ جاریہ ہیں جن پر ان کو اجر عظیم ملتا رہے گا۔ ہم بارگاہِ ایزدی میں دعا گو ہیں کہ اللہ تعالی حضرت والا کو جنت الفردوس میں اعلی مقام عطا فرمائے۔ آمین۔۔۔ بندے نے حضرت مولانا سے ان کی قیام گاہ میں متعدّد بار ملاقات کی ہے، ہر بار حضرت بڑے اخلاق سے پیش آئے، ایک مرتبہ "الداعی" کا تازہ شمارہ بھی بطورِ ہدیہ عنایت فرمایا۔۔ بندہ حضرت کا معتقد ہے اور رہے گا، دل سے ان کا احترام کرتا ہے اور کرتا رہے گا۔ حضرت کی وفات پر ہزاروں غم زدہ لوگوں میں سے بندہ بھی تھا، حضرت مولانا کی میّت کو آخری بار دیکھنے اور جنازے میں شرکت کرنے کے لیے دار العلوم کے نودورے میں پروانہ وار ٹوٹ پڑنے والوں میں سے بندہ بھی تھا"۔(ص:۴۶۲)۔

الغرض: ہم نے حقیقتاً اپنے اکابر ادباء کو نہ موردِ الزام ٹھہرایا ہے اور نہ ہی ان کی اپنی فرنگیات کی گرفت کی ہے، بلکہ ہم نے ان کی کتابوں میں عربوں کی طرف سے درآئی عربوں کی اور مصری ادباء و مستشرقین کی فرنگیات اور اغلاط کی گرفت کی ہے جن سے ہمارے ادباء خود بری اور پاک ہیں۔

تتمۂ وجوہات:

میں اپنے تمام اکابر رحمہم اللہ کا دل سے احترام کرتا ہوں، اور کرتا رہوں گا، ان کا احترام بھی دین کے

لیے کرتا ہوں، اور اگر کسی سے دلائل سے اختلاف کرتا ہوں تو بھی دین کے لیے کرتا ہوں۔ مجھے کسی کی ذات سے نہ اختلاف ہے اور نہ ہو سکتا ہے۔ بلکہ ایک بات میں یہاں بتلا دوں کہ جس دن میں نے اپنے اکابر (حضرت مولانا علی میاں صاحبؒ، حضرت مولانا وحید الزماں صاحبؒ، حضرت مولانا محمد الحسنی صاحبؒ اور حضرت مولانا نور عالم صاحبؒ) کی کتابوں کا جائزہ پیش کیا اس دن بھی میں نے ان حضرات کے لیے دعائیں کیں اور تلاوت کرکے ہر ایک کا نام لے کر ایصالِ ثواب بھی کیا اور یہ سلسلہ ہنوز جاری ہے۔۔

یہ بات صرف اس لیے لکھ رہا ہوں کہ مجھے ان حضرات کی ذات سے کوئی اختلاف نہیں ہے۔ ہاں دین اور حق کی خاطر ان کی عربیت سے اختلاف ہوا تو میں نے ''حق'' کے لیے اور قرآنی عربی کی حفاظت کی خاطر، دل میں جذبۂ عقیدت واحترام باقی رکھ کر ان حضرات کے ساتھ اختلاف کیا۔

خاتمہ

بہت سے لوگ کہتے ہیں کہ میں جدید عربی نہیں جانتا ہوں اس لیے میں نے اس کے خلاف کتاب لکھی ہے۔ کچھ لوگوں نے ہم پر رد کرتے ہوئے '' الناسُ أعداءٌ لِما جَهِلُوا '' کا نعرہ بھی بلند کیا۔

مجھے اس بات کے کہنے میں کوئی فخر نہیں کہ میں جدید عربی جانتا ہوں، اور جدید عربی میں میری تصنیفات بھی ہیں۔ میں نے کتاب کے اخیر میں ایک عنوان قائم کیا ہے: ''**میرا اعلانِ براءت**'' اس عنوان کے تحت میں نے اپنی ہی بعض کتابوں پر بھی تنقید کی ہے۔ چنانچہ میں نے لکھا ہے:

''میں پہلے جدید عربی کا شیدائی تھا، اور جدید عربی کی فرنگی تعبیرات کو قدیم عربی کی تعبیرات پر ترجیح دیتا تھا۔ میرے دو مضامین حضرت مولانا نور عالم صاحب خلیل امینیؒ کی حیات میں ''الداعی'' میں چھپ چکے ہیں۔ اور دو مضامین ''البعث الاسلامی'' میں بھی چھپ چکے ہیں اور ایک طویل مضمون ''مجلةُ رابطةِ العالم الإسلامي بمكة المكرمة'' میں بھی چھپ چکا ہے۔ ان مضامین میں جدید عربی کی فرنگی تعبیرات موجود ہیں۔ اسی طرح میری پہلی تصنیف '' مُوجَز العقائدِ الصحيحةِ في ضوء الكتاب والسنة'' میں جدید عربی کی کافی فرنگی تراکیب ہیں۔ نیز میری دوسری تصنیف ''هداية المحتار في دراية الآثار'' میں بھی کچھ نہ کچھ فرنگی تعبیرات ہیں۔ ان کے علاوہ میری بعض پرانی

تحریرات میں بھی خال خال جدید عربی کی فرنگی تراکیب یا تعبیرات پائی جاتی ہیں ۔۔۔ پھر اللہ تعالی نے مجھ پر خاص کرم کیا، مجھے حق و باطل کو سمجھنے کی توفیق عطا فرمائی اور میں نے اس موضوع پر عرب وعجم کے علمائے حق کی سو(۱۰۰) سے زائد کتابوں کا مطالعہ کیا۔ اب میں صرف اور صرف اللہ کے لیے اور دین وقرآن کی خاطر اپنی پرانی تمام فرنگی تراکیب وتعبیرات پر نادم وپشیمان ہوں"۔(ص:۵۵۱)

پس جب میں جدید عربی جانتا ہوں ، اور جدید عربی میں میری تصنیفات بھی ہیں تو پھر میں نے جدید عربی کو کیوں چھوڑ را؟ اور اس کے خلاف میں نے یہ کتاب کیوں لکھی ؟۔ صرف "حق" کے لیے۔

"هداية المحتار" کا ابھی تیسرا ایڈیشن چل رہا ہے، خطیر رقم لگا کر اس کو چھپوایا ہے ، ابھی اس کے ڈھیروں نسخے برائے فروخت میرے پاس موجود ہیں۔ آپ ذرا سوچیے کہ میں اپنی ہی کتاب پر تنقید کر کے اپنا ہی نقصان کیوں کر رہا ہوں ؟ ۔۔ صرف اور صرف "حق" کی خاطر۔

یہاں بغیر فخر اور بغیر خیلاء کے یہ بات بھی بتلا دوں کہ لوگ جدید عربی میں احقر کے "اسلوبِ نگارش" کو بہت پسند کرتے تھے ،احقر کی پہلی تصنیف "مُوجَزُ العقائد" ۱۴سال پہلے ۲۰۱۱ء میں شائع ہوئی ، عرب ادباء نے بھی اس کے اسلوبِ نگارش کی تعریف کی تھی۔ آپ اگر احقر کی "مُوجَزُ العقائد "کی عربی کو جدید عربی کے ادباء کی عربی سے ملا کر دیکھیں گے تو شاید آپ احقر کے "اسلوبِ نگارش "کو ان سے کم نہیں پائیں گے ۔۔ یہ بات صرف اس لیے کہہ رہا ہوں کہ میں نے بہت محنت سے جدید عربی سیکھی تھی، تو پھر میں نے اس کو کیوں چھوڑا؟ ۔۔صرف اور صرف "حق" کے لیے اور دین وقرآن کی خاطر۔

قرآنی عربی کی حفاظت کی خاطر اور "حق" کی راہ میں میں نے اپنی پرانی تصنیفات کو قربان کیا، بہت ہی محنت سے سیکھی ہوئی زبان کو چھوڑا، بہت سارے کرم فرماؤں کو ناراض کیا، بہت سی سخت سست کڑوی کسیلی سنیں اور سن رہا ہوں ، لیکن مجھے خوشی ہے اس بات پر کہ میں نے دلائل صحیحہ سے جس چیز کو علی وجہ البصیرۃ "حق" جانا، میں اس حق کے ساتھ ہوں۔ میں اللہ کا شکر ادا کرتا ہوں کہ اللہ تعالی نے قرآنی عربی کی بقا وتحفظ کے باب میں، مجھ حقیر وفقیر اور خطاکار وسیاہ کار کو کچھ کرنے کی توفیق عطا کی ۔

﴿ رَبِّ إِنِّي لِمَا أَنْزَلْتَ إِلَيَّ مِنْ خَيْرٍ فَقِيرٌ ﴾

حضراتِ اہلِ علم اور طلبۂ عزیز سے درخواست

جدید عربی مکمل طور پر انگریزی اور فرانسیسی زبانوں کے قالب میں ڈھلی ہوئی زبان ہے اور عربی قالب سے کوسوں دور ہے۔ انگلش اور فرانسیسی زبانوں کا لفظی ترجمہ ہے۔ دینی مدارس میں جدید عربی کے وجود سے قرآنی عربی کو سخت نقصان ہوا ہے۔ یہ جدید عربی قرآن وحدیث سے بیگانہ کرتی ہے۔

شیخ احمد الغامدی لکھتے ہیں: ”وما يكاد يدخل من كلام الإفرنج شيءٌ إلا وقد أماتَ شيئا من كلام العرب وحلَّ مكانَه ، فاللَّفظُ يُمِيتُ ألفاظًا، والتركيبُ يُمِيتُ تراكيبَ، والأساليبُ الإفرنجيةُ تغلِبُ على الألسنةِ وتُذهِبُ منها أساليبَ العرب“۔[1]

(یعنی: فرنگی کلام کی کوئی بھی چیز عربی زبان میں داخل ہوتی ہے تو عربی زبان کی کسی نہ کسی چیز کو ختم کرکے اس کی جگہ لے لیتی ہے، یعنی فرنگی لفظ عربی الفاظ کو مار دیتا ہے، فرنگی ترکیب عربی تراکیب کو ختم کردیتی ہے اور فرنگی تعبیرات زبانوں پر غالب آکر عربی تعبیرات کو مٹا دیتی ہیں)۔

شیخ احمد غامدی لکھتے ہیں: ”فليست (العرنجيةُ) تَصِلُ بينَنا وبينَ كتابِ اللهِ وسنةِ نَبِيِّه، وليسَتْ تَصِلُ بَينَنا وبينَ مَن خلَا قبلَنا ؛ بل إنَّ هذه اللغةَ إذا ترسَّختْ في النفس كانتْ حجابًا بينَ المرء وبينَ كلامِ الله وكلامِ نبيه وكلامِ سلفِنا “۔[2]

(یعنی: یہ فرنگی عربی ہم کو نہ قرآن وسنتِ رسول ﷺ سے جوڑتی ہے، اور نہ اسلاف سے؛ بلکہ یہ زبان جس کے دل ودماغ میں راسخ ہو جاتی ہے تو یہ اس شخص کے درمیان اور قرآن وحدیث اور کلامِ سلف کو سمجھنے کے درمیان حجاب بن جاتی ہے)۔

ہم تمام حضراتِ اہلِ علم اور طلبۂ عزیز سے درخواست کرتے ہیں کہ آپ تبصروں اور اعتراضات سے شبہات میں نہ پڑیں، خالی الذہن ہوکر ”حق وباطل کی معرفت“ کے جذبات سے خود کتاب پڑھیے، ان شاء

---

(١) كتاب العرنجية للترجمان أحمد الغامدي ص : ٢٠٠ .

(٢) كتاب العرنجية للترجمان أحمد الغامدي ص: ٢٣ .

اللہ "حق" واضح ہوجائے گا۔ الحقُّ أبلج والباطلُ لَجلجٌ۔ اگر ہماری یہ کتاب "دین اور حق" کی خاطر لکھی گئی ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو ضرور غلبہ عطا کرے گا۔ الحقُّ يَعلُو ولا يُعلٰى عليه۔

نوٹ: یہ صرف ایک وضاحتی مقالہ ہے، جو لوگوں کو شبہات سے نکالنے کے لیے لکھا گیا ہے، یہ معترضین کے اعتراضات کا جواب دینے کے لیے نہیں لکھا گیا؛ کیونکہ اعتراضات کے جوابات کتاب میں موجود ہیں، نیز مولوی محمد ذیشان حفظہ اللہ کا مقالہ (نوری جائزے کا ضروری جائزہ) بھی سمجھنے والوں کے لیے کافی وافی ہے۔ ہاں اگر کوئی واقعی دلائل سے ہماری کتاب کا علمی رد کرے گا تو ہم ان شاء اللہ اظہارِ حق کے لیے دلائل و براہین سے اس کا جواب لکھیں گے؛ تاکہ حق بالکل واضح ہوجائے۔

سَتُبْدِيْ لكَ الأيامُ مَا كُنتَ جَاهِلًا * ويَأتِيكَ بالأَخْبارِ مَنْ لم تُزَوِّدِ

وصلَّى اللهُ وسلَّمَ على سيدِنا محمدٍ صاحبِ جوامعِ الكلم وروائع الحكم، وأفصحِ مَن أَقَلَّتْه الغَبْراءُ وأبلغِ مَنْ أَظَلَّتْه الخَضراءُ، وعلى آله الأبرار الأطهار، وصحابته المصطَفَيْنَ الأخيار، ومن حذَا حذوَهم إلى يوم القرار.

كتبه:

العبد الفقير إلى ربه الغني

محمد هدايت الله القاسمي

٢٢ / من شعبان / ١٤٤٧ من الهجرة